سرائیکی رسم الخط

کی

مختصر تاریخ



بزمِ ثقافت، ملتان، ۴۴ مائی مہربان، چوک فوارہ

1

سرائیکی رسم الخط کی مختصر تاریخ

اسلم رسول پوری

ترتیب — عمر کمال خان

بزمِ ثقافت ملتان

۴ مائی مہربان، چوک فوارہ ملتان شہر

(رسید الیکٹرک پریس ملتان)

سال کتابت ...... سنہ ۱۹۷۶ء

قیمت ......60/- [redacted] روپے

ناشر .... ملک الطاف علی کھوکھر صدر
عمر کمال خان سیکرٹری

بزمِ ثقافت ۔ ملتان

کتبہ ـــــ امیر رقم

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	مصنف	صفحہ
١	دیباچہ	از عمر کمال خان سیکرٹری بزم ثقافت ملتان	٥
٢	سرائیکی رسم الخط کی مختصر تاریخ	از محمد اسلم رسول پوری	٧
٣	رپورٹ از سرائیکی لسانی کمیٹی	از سرائیکی سنگت کراچی	١٩
٤	رپورٹ سرائیکی رسم الخط کمیٹی	از عمر کمال خان	٣١
٥	سرائیکی دانشوروں کی آراء	مرتبہ اسلم رسولپوری، عمر کمال خان	٣٢
٦	سرائیکی زبان میں آوازیں اور ان کی صورت خطی	از ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل لندن یونیورسٹی	٤٣
٧	حرف آخر	ملک الطاف علی کھوکھر صدر بزم ثقافت ملتان	

دیباچہ

سنسکرت کی طرح سرائیکی زبان بھی برصغیر پاک وہند کی قدیم ترین زبان ہے یہ زبان وادیٔ سندھ کے عظیم تمدن قدیم معاشرت اور وسیع انسانی اقدار کی حامل ہے اس کے ذخیرۂ الفاظ میں خیالات بھی باآسانی ادا ہو سکتے ہیں ۔ وادیٔ سندھ میں اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں اس زبان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں خصوصاً صوفیاکرام اور اولیاء اللہ نے اس زبان کو ذریعہ اظہار بناکر اسلامی تعلیمات کو عام کیا اور وادیٔ سندھ کے باشندوں کو سیدھا راستہ دکھایا ۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی وادیٔ سندھ میں اس زبان کی بدولت مسلمان ایک عظیم اکثریت میں ہیں اور اسی اکثریت کے بل بوتے پہ پاکستان قائم ہے ۔

سرائیکی زبان وادب کا فروغ ملکی استحکام اور اتحاد کی ضمانت ہے ، سرائیکی زبان پاک وطن کے تین کروڑ عوام کی مادری زبان ہے جو پاکستان کے چاروں صوبوں سندھ ، بلوچستان ، پنجاب اور سرحد میں بھی سمجھی جاتی ہے ۔ اس زبان کی ترویج پاکستان کے چاروں صوبوں کے عوام میں محبت اور یگانگت کے رشتے کو مضبوط کرے گی اور قومی اتحاد کے لیے مضبوط ضمانت ہوگی جس طرح سرائیکی عوام کے مسائل گھمبیر ہیں اسی طرح سرائیکی زبان وادب کے مسائل بھی گوناں گوں پیچیدگیوں کا شکار ہیں ۔ کچھ سرپرستی کا فقدان ، کچھ عزبت اور اپنوں کی خودپرستی اور انا کچھ گھس بیٹھیوں کی شرارتیں ، ان سب عوامل کی وجہ سے ہم کسی کنارے نہ لگ سکے ۔ متفقہ سرائیکی رسم الخط کے بارے میں بھی یہی عوامل رکاوٹ بنے رہے ہیں ، اس سلسلہ میں پہلی بڑی کوشش سرائیکی ادبی کانفرنس ملتان منعقدہ ۱۴ ۔ ۱۵ ۔ ۱۶ مارچ ۱۹۷۵ء کو ہوئی تھی ، اس میں جو فیصلہ ہوا وہ بعض مصلحتوں کا شکار ہو گیا ، دوسری اہم کوشش سرائیکی سنگت کراچی نے کی ہے اور میرے خیال میں سرائیکی سنگت کراچی کی کوشش زیادہ مخلصانہ اور سائنسی بنیادوں پہ ہے اور اس کوشش کے بعد بزمِ ثقافت ملتان نے یہ طے کیا کہ سرائیکی سنگت کراچی کی رپورٹ کو زیادہ سے زیادہ عوام کے سامنے پیش

کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ سرائیکی رسم الخط کی مختصر تاریخ بھی شامل کر دی جائے تاکہ اس اہم فیصلہ کے وقت ہمارے عوام کے سامنے رسم الخط کی تاریخ بھی موجود ہو اور انہیں فیصلہ کرتے وقت کوئی دقت نہ ہو، جناب اسلم رسولپوری اس سلسلے میں مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کوزے میں دریا بند کرتے ہوئے سرائیکی رسم الخط کی تاریخ لکھ کر ایک اہم کارنامہ سرانجام دیا ہے میں دیگر سرائیکی دانشوروں کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اس اہم مسئلہ پر اپنی آرا سرائیکی عوام کے سامنے پیش کر دی ہیں۔

ڈاکٹر کرسٹو فر شیکل (جو لندن یونیورسٹی میں لسانیات کے ماہر ہیں اور سرائیکی زبان پر مکمل عبور رکھتے ہیں) نے بھی ایک مضمون ارسال کیا ہے جو اس کتابچے میں شامل کیا جا رہا ہے۔ وہ بھی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

عمر کمال خاں
سیکرٹری بزم ثقافت ملتان

سرائیکی رسم الخط

کی مختصر تاریخ

(از اسلم رسول پوری)

سرائیکی وادی سندھ کی ایک قدیم ترین زبان ہے، کچھ عرصہ قبل تک اسے ایک آریائی زبان سمجھا جاتا رہا ہے لیکن وادی سندھ میں دراوڑی زبانوں کے باقیات، ہڑپے سے پہلے بھی بولی جانے والی زبانوں کے بارے میں نئی معلومات نے اس سوچ کو یقین میں تبدیل کر دیا ہے کہ سرائیکی زبان کا کسی نہ کسی طرح سے یہاں کی قدیم ترین زبانوں سے تعلق رہا ہے، نظامی صاحب بہاولپوری کے نظریے کے مطابق تو یہ زبان وادی سندھ کی سب سے پہلی زبان ہے جو یہاں بولی گئی۔

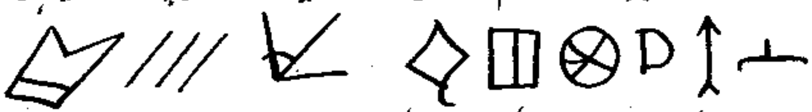
بہرحال اس زبان کی ابتداء کا مسئلہ ابھی تک ماہرین لسانیات کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ہمارے لیے جو مسئلہ درپیش ہے وہ موجودہ دور میں اس زبان کے رسم الخط کا مسئلہ ہے کیونکہ رسم الخط پر اتفاق نہ ہو سکنے کی وجہ سے یہ زبان خاطر خواہ ترقی نہیں کر رہی۔ اگرچہ انفرادی طور پر اس کے رسم الخط کو طے کرنے کی بہت سی کوششیں ہوئی ہیں مگر ابھی تک کسی ایک کوشش کو بھی قبولیت عامہ حاصل نہیں ہو سکی۔

جیساکہ یہ بات تقریباً طے شدہ ہے کہ سرائیکی اس علاقے کی قدیم ترین زبان ہے اس طرح اس بات میں بھی شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ قدیم ایام میں اس کا کوئی رسم الخط نہ ہو کیونکہ اس علاقے میں بہت سے رسم الخط رائج رہے ہیں اور یہاں کی زبانیں ان رسم الخطوں میں لکھی جاتی رہی ہیں مگر بد قسمتی سے محمد بن قاسم کی آمد سے پہلے یہاں کی کسی علاقائی زبان کا کوئی تحریری سرمایہ محفوظ نہیں رہا جس کی وجہ سے اس سلسلے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی۔

جہاں تک موہنجوداڑو اور ہڑپہ میں رائج رسم الخط کا تعلق ہے اس پر اگرچہ بہت سا کام ہو چکا ہے، لیکن اسے ابھی پوری طرح سے پڑھا نہیں جا سکا جس کے نتیجے میں ان شہروں میں رائج زبان اور اس کے رسم الخط کے بارے میں پورے وثوق سے کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔

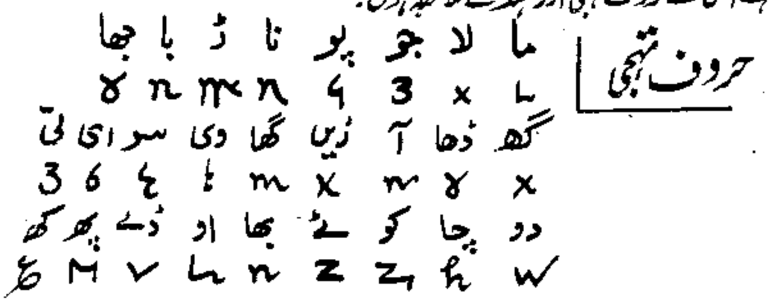
میرے خیال میں یہ بات مناسب رہے گی اگر سرائیکی علاقے میں رائج قدیم رسم الخطوں کا مختصر جائزہ لیا جائے۔

موہنجو دڑو میں جو رسم الخط رائج تھا وہ تصویری تھا، اس کی چند علامات یہ ہیں



اس رسم الخط کے بارے میں محققین کی رائے ہے کہ یہ عراق کے قدیم رسم الخط سے ماخوذ ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس رسم الخط سے ایک دوسرے رسم الخط نے جنم لیا جو براہمی رسم الخط کہلاتا ہے، براہمی رسم الخط کی اولاد میں دیوناگری رسم الخط کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور یہی وہ رسم الخط ہے جس سے لنڈا رسم الخط نے جنم لیا۔ لنڈا لفظ کی مشابہت لہندا کے ساتھ بھی ہے، لہندا مغرب کو کہتے ہیں، اس لیے کچھ لوگ مغربی علاقے میں بولی جانے والی کی وجہ سے سرائیکی کو بھی لہندا کہتے ہیں ممکن ہے لفظ لنڈا اسی لہندا سے نکلا ہو، بہرحال یہ بات طے ہے کہ لنڈا رسم الخط لہندا علاقے میں رائج رہا اور غالباً ابتدائی سرائیکی اسی رسم الخط میں لکھی جاتی رہی۔

لنڈا کے علاوہ اس رسم الخط کو اوچ میں اوچی اور رحیم یار خان کے علاقے سرادا میں سرادا رسم الخط بھی کہا جاتا رہا ہے کبھی کبھی اس کو کرڑی رسم الخط بھی کہا گیا ہے، یہ خط بھی اپنی ماں براہمی رسم الخط کی طرح بائیں سے دائیں طرف لکھا جاتا ہے اس کے حروف تہجی اور ہندسے ملاحظہ ہوں۔



ہندسے

1 2 3 4 5 6 7 8 9 10
9 2 ɲ 8 ɲ ع 6 z 0 9°

محمد بن قاسم کی آمد کے بعد اس علاقے کی زبانوں پر عربی کے زبردست اثرات پڑے اور یہاں کے رسم الخط کی جگہ عربی رسم الخط نے لینی شروع کر دی، لیکن البیرونی کی آمد کے وقت تک یہاں کئی علاقائی رسم الخط رائج تھے لیکن بالآخر یہاں کی ایک اہم زبان سندھی نے کچھ ترمیم کے ساتھ عربی رسم الخط قبول کر لیا مگر پانچویں صدی ہجری تک یہ علاقائی رسم الخط میں بھی لکھی جاتی رہی۔

سرائیکی اور عربی رسم الخط

ان ایام میں سرائیکی کے دو رسم الخط رائج ہو گئے ایک اس کا قدیم اور پرانا علاقائی رسم الخط جس میں زیادہ تر ہندو اپنی تحریریں قلمبند کرتے (بلکہ کچھ ہندو تو قیام پاکستان تک اپنا حساب کتاب لنڈا ہندسوں میں لکھتے رہے) اور دوسرا عربی رسم الخط جس میں زیادہ تر مسلمان اپنی تخلیقات کو محفوظ کرتے، یہی وجہ ہے کہ حاجی نور محمد شیر گڑھی کی کتاب مسائل غسل کفن و دفن عربی رسم الخط میں ملتی ہے اس میں فارسی رسم الخط کے حروف اور آوازیں تک شامل نہیں ہیں مثلاً نون غنہ، ڈ، ڑ، ڈھ وغیرہ کا کہیں نشان نہیں پایا جاتا

میں ہاں بندہ گنہگار ، توں ہیں رب ستار غفار

اس کے علاوہ مولوی عبدالکریم کی مثنوی نجات المومنین، چراغ اعوان کی ہیر رانجھا، پکی روٹی، نور نامہ اور معراج نامہ وغیرہ بھی عربی رسم الخط میں ملتے ہیں۔

سرائیکی اور فارسی رسم الخط

جب سرائیکی علاقے میں فارسی رسم الخط کا رواج پڑا تو سرائیکی بھی عربی رسم الخط کی بجائے فارسی رسم الخط میں لکھی جانے لگی، ابتدائی طور پر اس میں سیفل نامہ، یوسف زلیخا از عبدالحکیم ابیات علی حیدر اور کئی دوسری کتابیں لکھی گئیں اور پھر اس رسم الخط کو اتنا رواج ملا کہ عام طور پر سرائیکی کو آج بھی اسی رسم الخط میں لکھا جاتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس زبان کے حروف تہجی میں بہت سی آوازیں ایسی نہیں ہیں جو سرائیکی زبان کے لیے امتیازی حیثیت رکھتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ بار بار یہ کوششیں کی جاتی رہی ہیں کہ سرائیکی کے اضافی حروف تہجی بنائے جائیں اور اس کا

کوئی مستقل رسم الخط بھی مقرر کیا جائے۔

مختلف کوششوں کا تذکرہ

اس سلسلے میں سب سے پہلی کوشش ڈیرہ غازی خان کے قاضی فخرالدین راضی نے کی، انہوں نے ۱۸۹۳ء میں اضافی حروف مقرر کئے اور ان کو اپنی مختلف تصانیف میں استعمال کیا، قاضی صاحب کے حروف یہ ہیں، انہوں نے اپنی تصانیف نستعلیق رسم الخط میں شائع کرائیں۔

ٻ ، ڄ ، ڃ ، ڈ ، ڳ ، ڱ

ٻال ، ڄال ، ڃیج ، ڈاڈا ، ڳالھ ، لنڱ

لیکن ان کی اس کوشش کو زیادہ کامیابی نہ ہوئی سرائیکی کی ان اضافی حروف اور آوازوں کو انگریزوں نے بھی تسلیم کیا ہے، مسٹر اوبرائن نے اپنی تصنیف

Glossary of the Multani language

(جو ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی) میں اگرچہ سرائیکی کے اضافی حروف استعمال نہیں کئے لیکن انگریزی کے بعض حروف میں نقطوں کا اضافہ کرکے اس بات کی طرف نشاندہی کی ہے کہ سرائیکی کی کچھ مخصوص آوازیں ہیں جنہیں انگریزی ادا نہیں کرسکتی، اس لیے انہوں نے ٻ کو B اور ڈ کو D کی صورت میں لکھا ہے، البتہ جیوکس (Jukes) نے اپنی تصنیف

Western Punjabi & English Dictionary

(شائع شدہ پٹیالہ بھارت ۱۹۶۱ء) میں انگریزی کے ساتھ لفظ کا سرائیکی تلفظ بھی دیا ہے جس کے لیے اس نے سرائیکی کے یہ اضافی حروف مقرر کیے ہیں۔

ٻ ، ڄ ، ڈ ، ڳ ، نڑ

NR   G̅   D   J̅   B̤

جیوکس نے سرائیکی کے اضافی حروف کی جو شکلیں مقرر کی ہیں ان میں عام طور پہ صرف (نڑ) اور (ڱ) کا فرق ہے،

قاضی فخرالدین راضی کے بعد جمعیت الانصار دین پور ضلع رحیم یار خان نے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں سرائیکی کے اضافی حروف کو نئی اشکال دیں، ان کے سات اضافی حروف ان کے ترتیب دیئے ہوئے ریاستی قاعدہ شائع شدہ ۱۹۴۳ء میں ملتے ہیں

ٻ ۔ ڄ ۔ ڃ ۔ ڈ ۔ ڳ ۔ ڱ ۔ ٹ

جمعیت الانصار کے یہ اضافی حروف بھی ان کی اپنی تصانیف تک محدود رہے اور عوام میں کوئی پذیرائی حاصل نہ کر سکے، اس سلسلے میں ایک اور کوشش غلام محمد لنگاہ تحصیل احمد پور شرقیہ نے کی، اس نے سلسلۂ صادقیہ کے نام سے لکھنا شروع کیا اور سرائیکی کا ایک قاعدہ بھی ترتیب دیا، مجھے باوجود کوشش کے ان کے مقرر کردہ حروف نہیں مل سکے، ظامی بہاولپوری نے اپنی تصنیف ملتانی و بہاولپوری زبان و ادب میں لکھا ہے کہ ان کے مقرر کردہ حروف اسلاف کے مقرر کردہ قاعدوں سے مختلف تھے اس لیے وہ مقبول نہ ہو سکے۔

میرے خیال میں قاضی فخرالدین راضی کے بعد جو سب سے اہم کوشش کی گئی ہے وہ مولانا عزیز الرحمان خان کی ہے۔ انہوں نے ایک رسم الخط کمیٹی بنائی جس نے مندرجہ ذیل الفاظ کی سفارش کی

ٻ ۔ ڄ ۔ ڃ ۔ ڈ ۔ ڳ ۔ ڱ

اور اس فیصلے کا اعلان ماہنامہ "العزیز" بہاولپور کے ستمبر ۱۹۴۲ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ لیکن اس کے بعد ݨ کا اضافہ بھی کر لیا۔ اس طرح سرائیکی کے یہ حروف قرار پائے۔

ٻ ۔ ڄ ۔ ڃ ۔ ڈ ۔ ڳ ۔ ڱ ۔ ݨ

مولانا عزیز الرحمان کے مترجم دیوان فریدی اور مولانا حفیظ الرحمان کے قرآن مجید کے سرائیکی ترجمے میں یہی حروف استعمال کئے گئے ہیں اور رسم الخط نستعلیق تجویز کیا گیا۔

۱۹۵۳ء میں جناب وحید اختر انصاری نے ملتانی زبان کا قاعدہ شائع کیا جس میں فارسی رسم الخط کے ساتھ مندرجہ ذیل اضافی حروف تجویز کیے۔

ٻ ۔ ڄ ۔ ڃ ۔ ڈ ۔ ڳ ۔ ڱ ۔ ݨ

انفرادی کوششوں میں خرم بہاولپوری نے بھی اضافی حروف مقرر کئے لیکن ان کو کوئی اہمیت نہ ملی، خرم بہاولپوری کے حروف یہ تھے۔

ٻ ۔ ڄ ۔ ڈ ۔ ڳ ۔ ݨ

سرائیکی کے لیے ظامی بہاولپوری کی خدمات کا ہر شخص معترف ہے، انہوں نے بھی آٹھ اضافی حروف کی مختلف اشکال اپنے ترتیب دیئے ہوئے قاعدے میں دی ہیں جو یوں ہیں، ظامی صاحب کا رسم الخط بھی نستعلیق ہے،

بْ ۔ جْ ۔ جْ ۔ ڈْ ۔ گْ ۔ گْ ۔ نْ ۔ یْ (اخفی الصوت)

بکرہ، جموں، ججھ۔ ڈانگ، گگاں، نینگ، مونج، تھالیاں ظامی بہاولپوری کی یہ کوشش بھی اگرچہ اُن کی اپنی تصانیف تک محدود ہے لیکن اضافی حروف میں دائرے کے استعمال کا

ایک نیا تخیل ضرور پیدا ہوا ہے جس کی وجہ سے بعد میں مختلف لوگوں نے اس کو اپنایا ہے اور دائرہ بھی بحث کا موضوع بن گیا ہے، البتہ ظامی صاحب کی "یٖ" نفی الصوت کو غیر ضروری اضافہ قرار دیا گیا ہے۔

پروفیسر دلشاد کلانچوی نے بھی سرائیکی کے اضافی حروف کے مسئلے کو طے کرنے کے سلسلے میں بہت کام کیا ہے، ابتداء میں انہوں نے اپنے حروف بنائے تھے لیکن پھر انہوں نے رائے شماری کرائی جس میں بہتر افراد نے حصہ لیا اس رائے شماری کے نتائج یوں سامنے آئے۔

خط نستعلیق ۔ 13

خط نسخ ۔ 60

ٻ	۳۳	ٻ	۲۹
ڄ	۲۴	ڄ	۳۱
ݙ	۱۴	ݙ	۱۵
ڳ	۵	ڳ	۳۳
ݨ	۳۳	نڑ	۲۳

بعض لوگوں نے بعض حروف کے بارے میں کوئی رائے نہیں دی اور کچھ لوگوں نے دونوں قسم کے حروف کے حق میں رائے دی ہے۔

اس رائے شماری کے کچھ عرصہ بعد پروفیسر دلشاد کلانچوی نے جن اضافی حروف کو حتمی کہہ کر معاملہ ختم کر دیا ہے، وہ یہ ہیں۔

ٻ ۔ ڄ ۔ ݙ ۔ ڳ ۔ نڑ (درمیان میں) ۔ ݨ (آخر میں)

بریگیڈیئر نذیر علی شاہ نے اضافی حروف کی تعداد سب سے زیادہ مقرر کی ہے، انہوں نے اپنے کتابچے "سرائیکی بول چال" میں جو اضافی حروف دیئے ہیں، وہ یہ ہیں۔

ٻ ، ڄ ، ڊ ، ڍ ، ڳ ، گ ، ݨ ، ݨ ، و ، ۋ

ڈاکٹر مہر عبدالحق کے سرائیکی پر بہت احسانات ہیں اس سلسلے میں ان کی کوششوں کا ذکر از حد ضروری ہے، انہوں نے مجموعی طور پہ دائرے اور نقطے کی بحث میں دائرے کو قبول کیا ہے لیکن اسے دائرہ کہنے کی بجائے گول نقطہ کہا ہے انہوں نے بیک وقت

ایک حرف پر دو علامتوں کی بھی مخالفت کی ہے اور ݨ کی بجائے نڑ لکھنا پسند کیا ہے ان کے مقرر کردہ اضافی حروف یہ ہیں۔

ٻ ۔ ڄ ۔ ݙ ۔ ڳ

ڈاکٹر صاحب نے رسم الخط نستعلیق تجویز کیا ہے، اضافی حروف کے بارے میں جن کوششوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ اور بھی کئی لوگوں نے اپنے اپنے اضافی حروف پیش کئے ہیں جن میں شاغل صدیقی اور مولانا نور احمد فریدی شامل ہیں، مولانا نور احمد خان فریدی کو ب کے نقطوں پر اعتراض تھا اس لیے انہوں نے ابتدا میں اس کو ٻ لکھنا شروع کیا۔ لیکن بعد میں انہوں نے ڈنڈے کو ہٹا کر ب کے نیچے دائرہ دینا شروع کر دیا اور آج تک اسی پر کاربند ہیں، مولانا عزیز الرحمان کی قائم کی ہوئی کمیٹی کے بعد ملتان میں ۱۹۶۲ء میں ایک اور کمیٹی بنائی گئی تھی جس میں علامہ طالوت اور ڈاکٹر مہر عبدالحق بھی شامل تھے اس کمیٹی کے اجلاسوں میں سرائیکی زبان کو ملتانی اور بہاولپوری کہنے کی بجائے سرائیکی کہنے کا فیصلہ ہوا، لیکن یہ کمیٹی بھی رسم الخط اور اضافی حروف کا کوئی متفقہ فیصلہ نہ کر سکی۔

۱۹۷۵ء میں سرائیکی ادبی کانفرنس کے موقع پر بھی ایک رسم الخط کمیٹی بنائی گئی جس میں مندرجہ ذیل اصحاب شامل تھے۔

سیٹھ محمد عبیدالرحمان خان صدر، ڈاکٹر مہر عبدالحق صاحب، مولانا نور احمد خان فریدی، پروفیسر دلشاد کلانچوی، واحد بخش خان پنڈرت، پروفیسر عطا محمد حامی (سندھ) میر حسان الحیدری (سندھ) ظفر مرزا (ڈیرہ اسماعیل خان) اور محمد اسلم رسولپوری۔

اس کمیٹی نے درج ذیل فیصلے کئے (اس کمیٹی کی مکمل رپورٹ صفحہ پر ملاحظہ کریں)

۱۔ سرائیکی کا رسم الخط نسخ ہونا چاہیئے اور اسے بتدریج قبول کرایا جائے۔

۲۔ سرائیکی کے مخصوص اضافی حروف میں دائرہ کا استعمال کیا جائے اس لیے ان حروف کی یہ شکل ہونی چاہیئے۔

ٻ ۔ ڄ ۔ ݙ ۔ ڳ

۳۔ مصدر میں ݨ اور فقرے میں نڑ استعمال کیا جائے۔ کمیٹی کے اس فیصلے کی نقل ماہنامہ سرائیکی ادب ملتان اپریل ۱۹۷۵ء کے آخری صفحے پر شائع کی گئی اور اس ماہنامے نے اسی ماہ سے اس پر عملدرآمد بھی شروع کر دیا، لیکن کچھ افراد نے جن میں کمیٹی کے بعض

ممبران بھی شامل تھے اور اس فیصلے پہ ان کے دستخط بھی تھے، اپنے فیصلے سے انحراف کر لیا جس کے نتیجے میں کمیٹی کے صدر نے مبہم بیان جاری کیا اور اس فیصلے کے اعلان کو کسی دوسرے وقت پہ ٹال دیا اور اس طرح یہ متفقہ فیصلہ اپنی موت آپ مر گیا۔ اضافی حروف کو طے کرنے کی جتنی کوششیں کی گئی ہیں وہ سب بیکار گئی ہیں اور آج صورتحال یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے اضافی حروف سے کام چلا رہا ہے، آج ماہنامہ سرائیکی ادب" ملتان فارسی رسم الخط کے ساتھ ان اضافی حروف پہ کاربند ہے (یہ رسم الخط کمیٹی کے طے کردہ حروف ہیں)

ٻ - ڄ - ݙ - ڳ - ݨ

اور سہ ماہی سرائیکی بہاولپور عربی رسم الخط کے ساتھ مندرجہ ذیل اضافی حروف اپنائے ہوئے ہیں

ٻ - ڄ - ݙ - ڳ - ݨ

ان کے علاوہ ڈاکٹر مہر عبدالحق صاحب اپنے اضافی حروف میں اور نقاش بہاولپوری اپنے اضافی حروف میں اپنی تصانیف طبع کرا رہے ہیں، بزم ثقافت کے اضافی حروف یوں ہیں، اس کی تصانیف انہیں حروف میں سامنے آ رہی ہیں۔

ٻ - ڄ - ݙ - ڳ - ݨ

اضافی حروف کے طے نہ ہوسکنے کے اسباب

سرائیکی زبان کے رسم الخط اور اضافی حروف کے تعین کے سلسلے میں مختلف انفرادی اور مشترکہ کوششوں کا ذکر آپ کے سامنے ہو چکا ہے لیکن حیرانی کی بات ہے کہ اتنی زیادہ کوششوں کے باوجود آج بھی یہ مسئلہ جوں کا توں ہے، آخر اس کی وجہ کیا ہے اور ان سب کوششوں کی ناکامی کے اسباب کیا ہیں۔؟

۱۔ میرے نزدیک ان کوششوں کی ناکامی کی پہلی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر کوششیں انفرادی قسم کی رہی ہیں اور ان لوگوں کی حیثیت اتنی بڑی نہیں تھی کہ وہ اپنے فیصلے کو سرائیکی عوام میں مقبول کرا سکیں، نتیجتاً ان سب کی کوششیں خود اپنے آپ تک محدود رہیں

۲۔ ان کوششوں کی ناکامی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر شخص یا کمیٹی نے اپنا رسم الخط ایجاد کر لیا اپنے سے پہلے کسی شخص یا کمیٹی کے دیئے ہوئے رسم الخط کو اپنانا اپنی توہین محسوس کی، اس طرح یہ مسئلہ ذاتی انا کا شکار ہو کر مزید پیچیدہ ہوتا گیا اور عوام کے لیے نت نئے اضافی حروف انتشار کا سبب بنے۔

۳۔ ان کوششوں کی ناکامی کی تیسری وجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ذاتی شہرت اور عظمت کے لیے سرائیکی کو استعمال کرتے ہیں، انہوں نے اپنے سے پہلے بزرگوں کے فیصلے کو نظر انداز کر کے اس مسئلے کو طے کرنے کا سہرا اپنے سر لینے کی کوشش کی ہے، اس جھوٹی شہرت کی خواہش کا بھونڈا مظاہرہ سرائیکی ادبی کانفرنس کی رسم الخط کمیٹی کے اجلاس میں بہت زیادہ کیا گیا کئی اصحاب نے اپنے مقرر کئے ہوئے اضافی حروف کو تسلیم کرانے کی جارحانہ کوشش کی اور اس سلسلے میں ضد اور ہٹ دھرمی کا گھٹیا مظاہرہ بھی کیا گیا۔ بات بات پر منہ پھلائے گئے اور ایک دوسرے کو جھڑکا گیا اور جب بڑی مشکل سے ایک فیصلہ ہوا تو ان لوگوں نے اسے تسلیم نہ کیا۔ جن کی مرضی کے اضافی حروف کو جگہ نہ ملی۔

۴۔ ان کوششوں کی ناکامی کی چوتھی بڑی وجہ عوام، صاحب اقتدار اور حکومت کی عدم دلچسپی ہے، ان میں کسی نے بھی اس مسئلے کی نہ اہمیت کو سمجھا ہے اور نہ اسے حل کرنے میں مدد دی ہے جس کے نتیجے میں نام نہاد دانشور آپس میں دست و گریباں رہے ہیں اور یہ مسئلہ جوں کا توں پڑا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہر شخص اپنے مقرر کردہ اضافی حروف کو سینے سے لگائے اس انتظار میں بیٹھا ہے کہ آنے والی نسل اس کے مقرر کردہ حروف کو قبول کر کے اس کی عظمت پر مہر لگا دے گی اور موت کے بعد اس کا نام گونجتا رہے گا۔ حالانکہ

ع این خیال است و محال است و جنوں

ان حالات کے باوجود سرائیکی سنگت کراچی نے ایک نیا رسم الخط دینے کا فیصلہ کیا ہے میرے خیال میں ان کے خلوص پر شک کرنا زیادتی ہوگی، لیکن مجھے یقین ہے اس کوشش کا انجام بھی پچھلی کوششوں جیسا ہوگا۔ کیونکہ سرائیکی علاقے سے اتنا دور بیٹھ کر جو فیصلہ کیا جائیگا وہ اس علاقے کے لوگوں کے دلوں میں نہیں اتر سکے گا، اس کے علاوہ سرائیکی ادب کے نام نہاد دانشور اسے کبھی بھی مقبول نہیں ہونے دیں گے کیونکہ اس میں ان کے ایجاد کردہ رسم الخطوں کی موت ہوگی جسے حقیقتاً وہ اپنی موت سمجھتے ہیں۔

ذاتی رائے

اس سلسلے میں میری اپنی رائے یہ ہے کہ نئے رسم الخط مقرر کرنے کی انفرادی کوششیں ترک کر دی جائیں کیونکہ ایک نیا رسم الخط اور نئے اضافی حروف انتشار کا سبب بنیں گے اس کے لیے ضروری ہے کہ کوئی شخص یا کمیٹی پوری محنت کے ساتھ سرائیکی علاقے کے ان لوگوں سے ملاقات کرے جو اس مسئلے میں دلچسپی رکھتے ہیں، اس کے ساتھ

وہ ان لوگوں کو جو اپنے اضافی حروف پر اڑے ہوئے ہیں اس بات پہ مائل کرے کہ وہ زبان کی ترقی کی خاطر اپنے اضافی حروف ترک کر دیں۔ پھر ایک رسم الخط کمیٹی بنائی جائے جس میں ان تمام لوگوں کو شامل کیا جائے جو سرائیکی زبان کے ذرائع ابلاغ کے مالک ہیں یا کسی نہ کسی طرح سے سرائیکی کے نشر و اشاعت کے سلسلے میں وابستہ ہیں اور اس مسئلے کو حل کرنے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔ اس کمیٹی سے رواداری کے جذبے کو ابھار کر معقول اور پسندیدہ فیصلہ کرایا جائے، فیصلے کے بعد پوری قوت کے ساتھ اسے تمام علاقے میں پھیلا کر مقبول بنانے کی جدوجہد کی جائے اور اس کی مخالفت کو مشترکہ طور پہ ختم کرنے کی کوشش کی جائے اور کسی بھی شخص کی طرف سے نئے رسم الخط دینے کی کوشش کی مخالفت کر کے اس کا بائیکاٹ کیا جائے۔

میرے خیال میں یہ مسئلہ ایک کٹھن مسئلہ ہے، اس کو بڑی محنت اور کوشش سے طے کرنا ہوگا، سہل پسندی سے کام لے کر خود اضافی حروف مقرر کر لینا یا اپنے دوستوں کی کمیٹی بنا کر اس کے فیصلے کو عمر بھر کے لیے سینے سے لگا لینے کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ یہ فیصلہ بھی سابقہ فیصلوں کی طرح اپنی موت آپ مر جائے گا۔

محمد اسلم رسولپوری

یہ سرائیکی سنگت کراچی کی لسانی
کمیٹی کی رپورٹ ہے جس میں اس نے
رسم الخط اور اضافی حروف کے بارے
میں اپنی تجاویز پیش کی ہیں، قارئین
سے گذارش ہے کہ وہ اس سلسلے
میں اپنی آراء کمیٹی کو روانہ کریں
ممکن ہے اس سے کچھ مثبت نتائج
برآمد ہوں۔

"رپورٹ از سرائیکی لسانی کمیٹی"

مقرر کردہ:- سرائیکی سنگت کراچی

"سرائیکی سنگت" کے ایک اہم اجلاس میں ہمیں لسانی کمیٹی کے ممبران بنا کر جو فرض ہمارے سپرد کیا گیا ہے اس فرض کی تکمیل میں ہم کس حد تک سرخرو ہوئے اس کا فیصلہ قارئین ہی کر سکتے ہیں ،
کمیٹی کے سامنے دو مسائل تھے (۱) سرائیکی زبان کا رسم الخط کیا ہو گا۔
(۲) سرائیکی زبان کے حروفِ ابجد کی صورت کیا ہو گی
کمیٹی کے ممبران نے ہر دو مسائل پر پوری طرح غور و خوض کرنے کے بعد جو فیصلہ کیا وہ آپکے سامنے ہے

سرائیکی زبان کا رسم الخط

کمیٹی کے سامنے دو اندازِ تحریر تھے ، عربی اور اردو یعنی خطِ نسخ اور خطِ نستعلیق۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں ہماری خصوصی توجہ کا باعث بنیں۔

(۱) خطِ نستعلیق میں ہمیں ٹائپ رائٹر کی سہولتیں میسر نہیں جبکہ خطِ نسخ میں یہ سہولت موجود ہے
(ب) نہ صرف سندھی بولنے والوں نے سندھی زبان کو خطِ نسخ میں لکھنے کا فیصلہ کیا بلکہ اردو زبان کے سلسلے میں بھی بعض حلقے نستعلیق کو ترک کرنے اور خطِ نسخ کو اپنانے کے حق میں ہیں۔
(ج) دورِ ایوبی میں اس قسم کی تجاویز نہ صرف سامنے آئیں بلکہ اس قسم کی جد و جہد کے اعلانات بھی کیے گئے کہ نسخ کو اپنایا جائے اگرچہ اس پر مکمل طور پر عمل نہیں ہو سکا
(د) ملتان کی ادبی کانفرنس میں بھی ممبران نے خطِ نسخ ہی کی سفارش کی۔
(ہ) سرائیکی زبان کا تاریخی پسِ منظر، تہذیب، معاشرت یا علاقائی میلانات بھی ہمیں خطِ نستعلیق اپنانے پر مجبور نہیں کرتے اور نہ ہی خطِ نسخ اپنانے سے مانع ہیں،
(س) سرائیکی بولنے والے لوگوں کی تقریباً ۹۹٪ آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے، عربی اور عربی رسم الخط سے ان کا فطری لگاؤ بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ سرائیکی زبان کا رسم الخط نسخ ہو۔

مندرجہ بالا تمام نکات کی روشنی میں کمیٹی یہ متفقہ سفارش کرتی ہے کہ

"سرائیکی زبان کا رسم الخط عربی یعنی خط نسخ ہونا چاہیئے"

سرائیکی زبان کے حروف ابجد

پاکستان اس وقت روز بروز صوبائیت کے مرض میں مبتلا ہوتا جا رہا ہے، پنجابی اور سندھی ظاہری طور پر نہ سہی اندرونی طور پر ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں، بدقسمتی سے سرائیکی بولنے والے زیادہ تر حضرات انہیں دو صوبوں میں رہتے ہیں، اب صورت حال یہ ہے کہ پنجابی سرائیکیوں کو پنجابیوں سے زیادہ سندھی سمجھتے ہیں اور دوسری طرف سندھی سندھ کے سرائیکیوں کو تو سرائیکی کی بجائے سندھی ماننے کے لیے تو تیار ہیں لیکن پنجاب کے سرائیکیوں کو پنجابی تسلیم کرتے ہیں، گویا موجودہ صورت حال میں سرائیکی اپنی انفرادیت کھوتے جا رہے ہیں، اس لیے لسانی کمیٹی نے حروف ابجد کے متعلق فیصلہ کرنے سے قبل کئی چیزوں کو پیش نظر رکھا تاکہ صورتحال زیادہ واضح ہو جائے، اس سلسلے میں چند چیزوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

تاریخی پس منظر

سرائیکی پاکستان کی وہ واحد مقامی زبان ہے جو نئے پاکستان کے تمام صوبوں کے عوام میں سمجھی اور بولی جاتی ہے جبکہ دیگر زبانیں اس خصوصیت سے خالی ہیں، مختلف علاقوں میں اس کے نام بھی مختلف ہیں مثلاً صوبہ سرحد میں اسے ڈیروی پنجاب میں اسے ملتانی ریاستی، اُچی، بہاولپوری، جگدالی، سرائی، الجیچپڑ، سندھ اور بلوچستان میں اسے جٹکی یا سرائیکی کا نام دیا جاتا ہے، علامہ میر حسان الحیدری نے لفظ سرائیکی کے ایک معنی یہ لیے ہیں کہ ایک ایسی زبان جو ایک سرے سے دوسرے سرے تک بولی جاتی ہو۔

لسانی کمیٹی نے حال ہی میں سندھ کا دورہ کیا تو پتہ چلا کہ اس زبان کا ایک نام "لکی" بولی بھی ہے لفظ "لکی" سے اس زبان کی برتری کا آسانی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، قدیم قبائل جو اب تک ریاست بہاولپور کے ریگستان میں یا ڈیرہ جات (ڈیرہ غازیخان، ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ بگٹی) کے پہاڑی علاقوں میں یا میدانی علاقوں میں آباد ہیں اور جدید تہذیب سے ابھی تک ناآشنا ہیں ان میں یہ زبان اپنی اصلی صورت میں موجود ہے، سرائیکی کے قدیم ادب میں "لولی یا ڈوہڑا" (دو مصرعوں کا قدیم لوک گیت) آج بھی اپنی قدیم ہیئت میں جوں کا توں محفوظ ہے، یہ دوہے بلوچستان، لس بیلہ، کچھی، تھرپارکر اور سندھ کے سرائیکی علاقوں کے علاوہ صوبہ سرحد کے ہندکو علاقوں میں اب بھی قدیم شکل میں موجود ہیں۔

اگرچہ کسی دور حکومت میں کسی حکومت نے اس کی پشت پناہی نہیں کی لیکن اس زبان سے تعلق

رکھنے والے بزرگانِ دین کے عارفانہ کلام کے سبب یہ زبان آج تک قائم ہے ان بزرگانِ دین کے عارفانہ کلام کئی بار چھپ بھی چکے ہیں مثلاً پنجاب میں حضرت خواجہ غلام فریدؒ کا دیوان اور سندھ میں حضرت سچل سرمست کا سرائیکی کلام سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کی معرفت لوگوں تک پہنچ چکا ہے پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان میں آثارِ قدیمہ کی کھدائی کے دوران جو مہریں ملی ہیں ان میں حیرت انگیز حد تک مماثلت کی بنیاد پر یہ کہنا بعید از قیاس نہیں کہ زمانہ قدیم میں یہ لوگ کوئی ایک زبان بولتے تھے، کوٹ ڈیجی کے آثارِ قدیمہ موہنجو داڑو سے بھی قدیم ہیں، یہاں کی آبادی میں سندھی اور سرائیکی کے علاوہ کوئی دوسری زبان ایسی نہیں جسے یہاں کی مقامی دیہی آبادی بولتی ہو، غزنویوں کی آمد سے قبل سرائیکی اور سندھی علاقوں میں دو الگ الگ حکومتیں قائم تھیں، سرائیکی علاقے کی حکومت کا دارالخلافہ ملتان اور سندھی حکومت کا دارالخلافہ منصورہ تھا لیکن کچھ ماہرینِ لسانیات کا یہ خیال ہے کہ موجودہ سندھی اور سرائیکی ایک ہی زبان تھی ان کے خیال کے مطابق موجودہ سندھی ۱۱۰۰ء کے لگ بھگ سرائیکی سے ایک علیحدہ مستقل زبان بن گئی ڈاکٹر مہر عبدالحق صاحب کا خیال ہے کہ "۱۱۰۰ء میں جب وادی سندھ سیاسی طور پہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تو بالائی سندھ کی زبان کو سرکی یا سرائیکی کہا جانے لگا، سر سے مراد اوپر والا، بڑا یا سردار پس سرائیکی سے مراد بالائی سندھ کی زبان یا سرداروں کی زبان، یہ زبان زیریں سندھ سے زیادہ فصیح ہے جیسا کہ سندھی زبان کے اس محاورے سے ظاہر ہے کہ "لاڑ جو پڑھیو۔ سر جو ڈھگو یعنی جنوب کا پڑھا ہوا اور شمال کا (یا سرے کا) ڈھور ڈنگر برابر ہوتے ہیں آئینِ اکبری میں ہندوستان کی بڑی بڑی زبانوں کی جو فہرست درج کی گئی ہے وہ یہ ہے دہلوی، بنگالی، ملتانی، مارواڑی، گجراتی، مرہٹی، کرناٹکی، سندھی، افغانی، شال، بلوچستانی اور کشمیری، اس سے بھی سرائیکی زبان (جو اس زمانے میں اور اب بھی پنجاب میں ملتانی کہلاتی ہے) کی تاریخی حیثیت کا پوری طرح اندازہ ہو سکتا ہے،

سیاسی پس منظر برصغیر میں عربی حکومت سندھ میں ۱۰۲۵ء (۴۱۶ھ) تک قائم رہی، عربی حکومت کا خاتمہ محمود غزنوی کے ہاتھوں ہوا جس نے ۴۰۱ھ میں ملتان پہ قبضہ کر کے اسمٰعیلی حکومت ختم کر دی پھر ۱۰۲۵ء (۴۱۶ھ) میں سومنات کو فتح کرنے کے بعد اس نے سندھ میں آکر اسمعیلوں کے مرکز منصورہ پر قبضہ کر لیا اور سندھ اور ملتان میں غزنوی حکومت کی بنیاد ڈالی، غزنوی گھرانے کے دسویں حکمران عزالدولہ سلطان عبدالرشید کو (۱۰۵۰-۱۰۵۳) کمزور دیکھ کر سومرہ "تھر ڈی" میں جمع ہوئے اور ابن سومرہ راجپال کو اپنا سردار بنالیا اس طرح سندھ میں سومروں کی حکومت قائم ہوئی اس سیاسی نشیب و فراز سے یہ بات پوری طرح

واضح ہو جاتی ہے کہ سرائیکی اور موجودہ سندھی علاقے اکثر و بیشتر ایک ہی حکمران کے زیرِ نگیں رہے یا ایک دوسرے کے بہت قریب رہے، سمہ خاندان کے دورِ حکومت میں بہاولپور اور ملتان سے سندھ کے تعلقات میں کافی اضافہ ہوا، سمہ سردار صوفی درویش حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ کی درگاہ کے معتقد تھے، روحانی تعلق کے علاوہ سمہ حاکم جام سکندر نے بہاولپور کا خطہ فتح کر کے سندھ کی حکومت سے ملا دیا تھا اس کے علاوہ حضرت شاہ شمس سبزواری ملتانی کے بہت سے اسماعیلی اور غیر اسماعیلی معتقدین سندھ میں رہتے ہیں یہ ملتان آتے جاتے رہتے تھے اور اب بھی عرس کے موقع پر سندھ سے بہت سے لوگ وہاں جاتے رہتے ہیں ان تعلقات سے واضح ہوتا ہے موجودہ سرائیکی اور سندھی علاقے میں قدیم تاریخی مذہبی اور سیاسی رشتے قائم تھے اور اب بھی ہیں۔ ماضی قریب کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے سرائیکی اور سندھی علاقوں میں بسنے والے بہت سے خاندان ایسے ہیں جو انگریز کے دور میں بالواسطہ اور پاکستان بننے کے بعد براہِ راست ان علاقوں کی سیاست پر چھائے رہے، مثلاً جتوئی، گورچانگ، لغاری، مزاری، بگٹی، عباسی، مہر، سیال، گیلانی، قریشی خاندان اب بھی پنجاب اور سندھ میں اہم مقام رکھتے ہیں، اس وقت بھی پنجاب اور سندھ کی اسمبلیوں کے علاوہ قومی اسمبلی میں بھی ان خاندانوں سے تعلق رکھنے والے لوگ مثبت یا منفی انداز میں اہم رول ادا کر رہے ہیں، اگرچہ سرائیکی زبان میں ان عظیم خاندانوں نے ابھی تک کوئی اہم رول ادا نہیں کیا لیکن ان میں سے اکثر کی گھریلو اور مادری زبان اب بھی سرائیکی ہے۔

ادبی پسِ منظر سرائیکی ادب اب بھی پنجاب اور سندھ میں تحریری صورت میں موجود ہے لیکن دونوں میں کافی فرق ہے، پنجاب میں سرائیکی ادب اردو رسم الخط میں ہے جب کہ سندھ میں عربی رسم الخط میں ہے سرائیکی حروفِ ابجد میں ایسے حروف بھی موجود ہیں جو اردو زبان میں تو موجود نہیں لیکن سندھی میں موجود ہیں بلکہ یہ اضافی حروف ایسے ہیں جن کی ادائیگی بھی اردو زبان بولنے والوں کے لیے مشکل ہے ان حروف کا تذکرہ آخر میں آئے گا، پنجاب میں اردو نے سرائیکی زبان پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہر موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا کیونکہ وہاں اردو کے علاوہ اسکولوں میں کسی زبان کو رائج نہ کیا گیا، سندھ میں صورتِ حال اس سے مختلف ہے، یہاں کے اسکولوں میں سندھی شروع سے پڑھائی جاتی ہے چونکہ سرائیکی اور سندھی کے اضافی حروف لب و لہجہ کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں اس لیے سرائیکی ادب، سندھی زبان کے سہارے پروان چڑھتا رہا، پنجاب میں اضافی حروف کی صورت مشترک نہ تھی اس لیے ہر علاقے میں لوگ اضافی حروف کو اپنی سمجھ کے مطابق ایجاد کر کے لکھتے گئے، یہاں یہ بات

خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ سندھی کے موجودہ رسم الخط کی عمر تقریباً ایک سو پچاس سال ہے جو ایک انگریز مسٹر ارنسٹ ٹرمپ کی سرکردگی میں ایک کمیٹی نے تجویز کیا تھا، سرائیکی ادب کا جو حصہ سندھ میں محفوظ کیا گیا ہے وہ اسی رسم الخط میں ہے اس سے قبل سندھ اور سرائیکی علاقوں میں مختلف رسم الخط تھے، محمد بن قاسم سے تقریباً دو سو سال بعد ابن ندیم اپنی کتاب "الفہرست" میں یہاں کے رسم الخط کی تعداد ایک سو بتاتا ہے البیرونی چار خطوں کا ذکر کرتا ہے یعنی (۱) سندھوا (۲) لاڑی (۳) اردھ ناگری (۴) ملواری، بھنبھور کی کھدائی میں مٹی کے برتنوں پر جو عبادت تحریر ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس زبان کا رسم الخط لوہانکا ہے، اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سرائیکی زبان کا کوئی مشترکہ یا متفقہ رسم الخط نہیں تھا۔ ادبی پس منظر میں ان شخصیتوں کا ذکر نہ کرنا بے ادبی ہوگی جن کے دم سے سرائیکی زبان آج تک زندہ و تابندہ ہے، پنجاب میں خواجہ فریدؒ، شاہ شمس تبریزی، شاہ رکن عالم اور پیر بہاؤالحق جیسی ہستیاں محتاجِ تعارف نہیں لیکن سندھ کی ان ہستیوں سے پنجاب کے اکثر لوگ واقف نہیں جن کا سرائیکی کلام سندھ کی جان ہے۔ ان میں سے صرف چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے،

۱۔ سچل سرمست، اصل نام عبدالوہاب، فارسی میں تخلص آشکارا اور سندھی و سرائیکی میں سچل یا سچو استعمال کرتے تھے، سندھی ادبی بورڈ نے آپ کا سرائیکی کلام چھپوایا ہے۔

۲۔ خلیل لاشاری، سچل سرمست کے پیروکار اور سرائیکی کے قادر الکلام شاعر تھے۔

۳۔ روحل، آپ امرکوٹ میں پیدا ہوئے جہاں کی مشہور عشقیہ داستان عمر ماروی سندھ کے ادب میں اہم مقام رکھتی ہے، آپ نے سرائیکی شاعری کے ایک جدید مکتبِ فکر کی بنیاد رکھی، آپ کے خلیفوں میں سرائیکی کے کئی مشہور شاعر گزرے مثلاً مراد فقیر، انور شاہ جہانپوری، فقیر در محمدؒ، غلام علی فقیر اور خدا بخش فقیر صاحبِ دیوان شاعر ہیں،

۴۔ حضرت پیر پگاڑو، آپ کا نام گرامی پیر محمد راشد، تخلص حسینی اور لقب روضہ دھنی تھا، آپ سچل سرمست کے ہمعصر تھے، سندھی اور سرائیکی کے قادر الکلام شاعر تھے۔

۵۔ صدیق فقیر، آپ روحل فقیر کے پیر بھائی تھے، سندھی اور سرائیکی کے زبردست شاعر تھے، آپ سرائیکی گو شعرا میں اہم مقام رکھتے ہیں۔

۶۔ حمل خان لغاری، آپ سرائیکی گو شعرا کے سرتاج ہیں، مشہور محقق ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے سندھی ادبی بورڈ سے آپ کی سندھی اور سرائیکی کلیات کو چھپوایا ہے،

۷۔ فقیر غلام حیدر سر، صاحبِ دیوان شاعر ہیں، بلوچوں کے قبیلہ سر میں پیدا ہوئے، رہزنی سے

درویشی تک جا پہنچے، سندھ کے نامور درویش نانک یوسف کے ہاتھ پہ توبہ کی، سرائیکی اور سندھی میں کافی یادگار کلام چھوڑا ہے۔

مندرجہ بالا ادبی پس منظر کے پیش نظر کمیٹی کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ سرائیکی کے لیے ایسے حروف تہجی تجویز کئے جائیں جو تمام صوبوں میں رہنے والے سرائیکی بھائیوں کے لیے قابل قبول ہوں اور جن کے ذریعے ہمارا موجودہ ادبی سرمایہ بھی محفوظ ہو جائے، اگر ہم مندرجہ بالا تمام باتوں کو نظرانداز کریں گے اس کا دوسرا مطلب یہ ہوگا کہ سرائیکی علاقے کو موجودہ سندھ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کاٹ دیا جائے اور اس ادبی سرمائے سے بھی ہاتھ دھو لیے جائیں جو سندھ میں موجود ہے۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ سرائیکی کو وقت کا دھارا ہمیشہ کے لیے سندھ سے ہٹا کر رکھ دے گا۔

حروف ابجد کے متعلق فیصلہ کرتے وقت کمیٹی کے سامنے مندرجہ بالا تاریخی، مذہبی، سیاسی ثقافتی، ادبی اور دیگر تعلقات کے علاوہ ڈاکٹر مہر عبدالحق صاحب کی کتب، رسالہ جات (اختر، سرائیکی ادب، سرائیکی) تاریخ ادبیات پاکستان (پنجاب یونیورسٹی اور کئی دوستوں کے مقالہ جات بھی موجود تھے جناب سیف اللہ نظامانی کا خیال تھا کہ سندھی زبان کے اضافی حروف کو حرف بحرف اپنا لیا جائے اور ان خامیوں کو دور کیا جائے جو سندھی میں موجود ہیں، ملک بشیر نے نئے خیالات کو جنم دیا اور سرائیکی زبان کی انفرادیت قائم رکھنے پر زور دیا، کمیٹی نے اس سلسلے میں اردو اور سندھی زبان کے حروف پر کافی غور و خوض کیا اور مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچی، (۱) سرائیکی زبان میں بہت سے حروف ایسے ہیں جو اردو میں موجود نہیں، ان حروف کو اضافی حروف کا نام دیا گیا (۲) سندھی زبان میں بھی بعض حروف ایسے ہیں جن کو اس زبان سے خارج کر دیا گیا ہے، مثلاً "ں" "نون غنہ کی عدم موجودگی اور بڑی "ے" کا بالکل نہ ہونا، ماہرین لسانیات کو یہ بات خاص طور پہ کھٹکتی ہے کہ لکھا جائے خبرون اور پڑھا جائے خبروں اسی طرح لکھا جائے آھی اور پڑھا جائے آھے، اس ترقی یافتہ زبان میں اس کا حل اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ جس طرح اردو میں زیر، زبر، پیش کے بغیر موقع محل کے لحاظ سے الفاظ کو پڑھ لیا جاتا ہے اسی طرح سندھی میں بھی کر لیا جاتا ہے اسی طرح جھ اور گھ جیسے مرکب حروف اور ھ کی موجودگی میں بھ، جھ، تھ وغیرہ کو باقی نہ رکھنا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

قارئین اضافی حروف کے لیے مندرجہ ذیل نقشے کو غور سے دیکھیں۔

حرف نمبر	اردو زبان کا لفظ	سرائیکی زبان میں اس لفظ کو لکھنے کی ممکنہ صورتیں
۱	بکری	ٻکری ، بکری ، بکری ، ٻکری
۲	سچ ، سچ	سچ ، سچ ، سچ ، سچ
۳	جاؤ	ڄ ، وڄ ، وڄ ، وڄ
۴	بات	ڳال ، گال ، گال ، گال
۵	سینگ	سڱ ، سگ ، سیگ
۶	دانت	ڈند ، ڈند ، ڈند ، ڈند ، ڈند ، ڈند
۷	درخت	وݨ ، ون ، وݨ ، وݨ

تفصیلی بحث کا مختصر خاکہ :۔

حروف نمبر ۱ ۔ جیساکہ مندرجہ بالا نقشے سے ظاہر ہے اس حرف کی کمیٹی کے سامنے پانچ صورتیں تھیں یعنی ٻ (جیسے سندھی میں) ب یا ٻ (ظامی صاحب کے قاعدہ اور دیگر رسالوں سے حاصل شدہ) ٻ (کمیٹی کے ایک ممبر کی تجویز) ٻ (پشتو سے مماثلت) ب سندھی میں استعمال ہوتا ہے ، ڈاکٹر مہر عبدالحق صاحب کی کتابوں میں بھی یہی صورت اختیار کی گئی ہے ، اگرچہ ایک کتاب میں اس کو "ٻ" لکھا گیا ہے ، "سرائیکی ادب ملتان" اور "سرائیکی ادب بہاولپور" کے رسالوں میں چھپے ہوئے کئی مضامین میں بھی لکھنے والوں نے اس صورت کو اپنایا ہے ، "ٻ" یا ٻ یعنی گول دائرہ کا اضافہ نہ صرف ظامی صاحب نے پیش کیا بلکہ ملتان کی کانفرنس میں بھی اس پر زور دیا گیا ، کمیٹی کی مختصر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔

(i) پہلی جماعت کا بچہ پہلی صورت کو (ٻ) آسانی سے لکھ سکتا ہے ،

(ii) سندھ میں ہمارا ادبی سرمایہ بھی محفوظ ہو جائے گا ، (iii) گول دائرہ ڈالتے وقت قلم میں سیاہی کی ذرا سی زیادتی گول دائرہ کو نقطے میں تبدیل کر دے گی جو بھدا معلوم ہوگا (iv) شکستہ میں لکھنے والے بھی اس کو "ٻ" آسانی سے لکھ سکیں گے جیسے ت لکھتے وقت دونوں نقاط کو "ـہ" صورت میں لکھ دیا جاتا ہے۔ "ٻ" یہ صورت "م" کا شائبہ دیتی ہے مثلاً "مکری" کو بکری کی بجائے ملکری پڑھنے کا احتمال ہوتا ہے ۔ ٻ (قوس) کا استعمال زیر کے مشابہ ہو جاتا ہے اس لیے بکری (goat) کو بِکری ([illegible]) پڑھنے کا امکان زیادہ ہے

مندرجہ بالا باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کمیٹی "ب" سب سے زیادہ بہتر صورت سمجھتی ہے،
حرف نمبر ۲ اور ۳ "ج" سے ملتے جلتے ہیں،
کمیٹی کے سامنے ان کی صورتیں حسب ذیل ہیں،
نمبر ۲ ← (i) جٗ ، (ii) ڃ ، (iii) ڄ ، (iv) چ
نمبر ۳ ← جْ ، ڄ ، ڃ ، چ
صورت نمبر ۱ اور نمبر ۲ نظامی صاحب اور ادبی کانفرنس ملتان کی مرتب کردہ ہیں،
صورت نمبر ۳ سندھی رسم الخط اور سرائیکی میں شائع ہونے والے کئی مضامین سے حاصل کی گئی ہے
جب کہ صورت نمبر ۴ پشتو کی ترمیم شدہ صورت ہے۔
جہاں تک چوتھی صورت کا تعلق ہے اس میں ہمیشہ "م" کا شائبہ رہے گا مثلاً جَت (بھیڑ بکریوں کے بال) کو جمت ہی پڑھیں گے۔
پہلی اور دوسری صورت میں وہی خامیاں موجود ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے گول دائرہ کا زیادہ سیاہی کی صورت میں نقطے کی شکل اختیار کر لینے سے "جٗ" کی صورت جْ میں بدل جائے گا جس سے ج کو خ بھی پڑھا جا سکتا ہے۔
ج کے ساتھ مشابہت کی بنا پر اس کے تین گروپ بنائے جا سکتے ہیں۔

گروپ (ا)	گروپ (ب)	گروپ (ج)
ج ، ڄ ، چ	ج ، ڃ ، ڄ	ج ، جٗ ، جْ

پرائمری کے معصوم بچوں کے لیے گروپ (ا) سب سے زیادہ سہل اور مناسب ہوگا کیونکہ ایک بچہ موٹی قلم سے نقطہ "." کو آسانی سے لکھ سکتا ہے "ہ" کو موٹی قلم سے لکھنا اس کے لیے دشوار ہوگا، نظامی صاحب صاحب نے اس سلسلے میں بچوں کی مشکلات کو پیش نظر نہیں رکھا، حرف نمبر ۴ اور نمبر ۵ کا معاملہ حرف نمبر ۲ اور ۳ سے ملتا جلتا ہے، کمیٹی کے سامنے اس کی ممکنہ صورتیں حسب ذیل ہیں۔
حرف نمبر ۴ ← ڳ ، گٖ ، گٗ ، ڱ
حرف نمبر ۵ ← گٗ ، ڳ ، گْ ، ڱ ، گْ (سندھی میں)
گ کے ساتھ مشابہت کی بنا پر ان کے مندرجہ ذیل تین گروپ بن سکتے ہیں،

گروپ (ا)	گروپ (ب)	گروپ (ج)
گ ، ڳ ، ڳ	گ ، ڳ ، ڳ	گ ، گٗ ، گْ

کمیٹی کے سامنے گ کی صورت بھی مناسب تھی جیساکہ ملتان کی ادبی کانفرنس میں معززین کا فیصلہ تھا بشرطیکہ حرف نمبر۴ اور حرف نمبر۵ کے لیے دو مختلف حروف کی بجائے دونوں کے لیے ایک ہی حرف تجویز کیا جائے لیکن کمیٹی کے ارکان بہت غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پہ پہنچے کہ حرف نمبر۴ اور حرف نمبر۵ کی آوازیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اس صورت میں دونوں حروف کے لیے ایک حرف مقرر کرنا سرائیکی زبان میں ایک خامی کو باقی رکھنے کا باعث بنے گا اس لیے دونوں حروف کے لیے ایک حرف کی بجائے علیحدہ علیحدہ حروف لکھے جائیں، چنانچہ کمیٹی اس سلسلے میں "ڳ" اور "ڳ" صورتوں کی سفارش کرتی ہے (سندھی میں ڳ کے دونوں نقطے اوپر ہوتے ہیں جیسے گ۔

حروف نمبر۶ اور نمبر۷۔ کمیٹی کے سامنے اس حرف کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

حرف نمبر۶۔ ڏ، ڈ، ڈ، ڈ، ڈ، ڏ (سندھی میں)

سندھی میں اس کی شکل سندھی رسم الخط میں تو مناسب ہو سکتی ہے لیکن سرائیکی کے لیے نہیں تینوں گول دائرے والی صورتوں پہ بحث باقی ماندہ حروف میں ہو چکی ہے باقی زیر غور حروف کی صورتیں ڈ۔ ڈ اور ڏ بچ جاتی ہیں،

حروف نمبر۷ کی یہ صورتیں تھیں۔ ڻ، ڻ، ڻ، ڻ

پہلی صورت سندھی میں موجود ہے سندھی میں "ن" کی عدم موجودگی کی وجہ سے "ڻ" صورت سندھی رسم الخط میں تو مناسب ہے مگر سرائیکی میں نہیں، ملتان کی ادبی کانفرنس میں اس حرف کو "ڻ" کی صورت میں قبول کیا گیا، "ڻ" ظامی صاحب کی پیش کردہ ہے۔

کمیٹی اس سلسلے میں نیا خیال پیش کرتی ہے کہ ڈ اور ڻ میں دو نشانات یعنی نقطہ اور اس کے ساتھ "ط" کی بجائے صرف ایک نشان لیا جائے، حرف نمبر۶ ڏ اور نمبر۷ (ڻ) صورت میں لکھا جائے تو بہتر ہے اس طرح سرائیکی کی انفرادیت بھی قائم ہو جائے گی اور سندھی کے لوگ بھی ڻ کو ڻ سے اور ڈ کو ڏ سے پہچان سکیں گے، اس کے دیگر فوائد یہ ہوں گے۔

۱۔ سرائیکی زبان کی انفرادیت دوسری زبانوں یعنی پنجابی، سندھی، اردو سے قائم رہے گی

۲۔ سندھی ہمارے ادب کو اور ہم ان کے ادب کو آسانی سے پڑھ سکیں گے۔

۳۔ مثالوں کو سامنے رکھا جائے مثلاً پانی کو پاڻی۔ پاڻی کی بجائے پاڻی لکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے،

۴۔ سرائیکی کے باقی الفاظ (اضافی) ٻ، ڄ، ڄ، ٻ، ڳ، کو جب ایک ہی قسم کے نشانات سے واضح کر دیا گیا ہے تو زیر بحث حروف کو ڈ۔ ڻ لکھ کر دو نشانات یعنی نقطہ اور ط کے ذریعے ممتاز

کرنا عجیب سا لگتا ہے، اس لیے بہتر صورت یہی ہے کہ ڑ، ڑ میں لکھا جائے ویسے بھی کسی زبان میں ایک حرف کو دوسرے سے ممتاز کرنے کے لیے دو دو نشانات نہیں لگائے جاتے

"ظامی صاحب کا قاعدہ اور کمیٹی کی رائے"

رسم الخط کے بارے میں کمیٹی نے ظامی صاحب کی کوششوں کو بہت سراہا، ہم سب جانتے ہیں زمانہ سائنس میں بات مفروضہ سے چل کر قوانین کی صورت اختیار کرتی ہے، یہ مفروضے تجربات کی ترغیب دیتے ہیں، بعینہٖ اگرچہ ظامی صاحب کے پیش کردہ گول دائرہ" کو لسانی کمیٹی کے اراکین نے مناسب خیال نہیں کیا لیکن یہ انہیں کی پیش کردہ کوشش کا نتیجہ ہے جس نے سرائیکی دنیا کے رسم الخط میں چھائی ہوئی تاریکی میں ہمیں اس قاعدہ میں ابتداء سے آخر تک بے انتہا موقعوں پر اسے استعمال کیا۔ بہرحال کمیٹی سرائیکی حروف تہجی میں "ں" کو شامل کرنا زیادہ مناسب سمجھتی ہے اس کے علاوہ ظامی صاحب نے "ی" "مخفی الصوت کو بھی پیش کیا" "ی" "مخفی الصوت غالباً کسی دوسری زبان میں مستعمل نہیں ہے اس کے لیے انہوں نے "یٔ" تجویز فرمائی ہے مثلاً والیاں، کالیاں وغیرہ لیکن کمیٹی اس سلسلے میں "یٔ" کی صورت کی سفارش کرتی ہے جس طرح نون غنہ کا مخصوص نشان "ں" ہے مثلاً "سانڑاں" میں اسی طرح "ی" مخفی الصوت کو بھی "یٔ" صورت میں لکھا جائے تو مناسب ہے (مثلاً کالیٔاں، والیٔاں وغیرہ")

حرفِ آخر لسانی کمیٹی کی رپورٹ رسم الخط کے بارے میں آخری فیصلہ نہیں، کمیٹی اس سلسلے میں یہ سفارش کرتی ہے کہ (١) اس رپورٹ کو شائع کرانے کے بعد پنجاب، سندھ بلوچستان اور سرحد کے سرائیکی ادیبوں، دانشوروں اور علمی شخصیتوں کے پاس بھیجا جائے (٢) رپورٹ سرائیکی سنگت کے تمام ممبران کے پاس روانہ کی جائے (٣) رپورٹ بھیجنے کے کم از کم بیس دن بعد سرائیکی سنگت کا ایک اجلاس بلایا جائے جس میں مختلف صوبوں سے آئی ہوئی تنقیدات، سفارشات اور خیالات کا تجزیہ کیا جائے اور اس کی روشنی میں سرائیکی حروف تہجی کا آخری فیصلہ کیا جائے (۴) ایسا اہم اور تاریخی فیصلہ ہو جانے کے بعد مفصل رپورٹ ایک کتابی صورت میں شائع کی جائے جن میں ان تمام دوستوں کا تذکرہ بھی کیا جائے جنہوں نے اس تاریخی فیصلہ میں ہماری رہنمائی کی، تاکہ مستقبل میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ فیصلہ چند لوگوں کا تھا ۵، اس فیصلہ کی صورت میں سرائیکی سنگت "حضرت خواجہ غلام فریدؒ اور "سچل سرمست" کا سرائیکی کلام خط نسخ میں سب سے پہلے شائع کرائے اور دونوں کے ساتھ اس تفصیلی رپورٹ کو منسلک کرے۔

معزز قارئین، "سرائیکی سنگت" کی رائے آپ کے سامنے ہے، محدود ذرائع کی بنیاد پر ہم ہر

بہن بھائی کے پاس علیحدہ علیحدہ کاپیاں بھیجنے سے قاصر ہیں اس لیے ہر بہن بھائی کا اخلاقی فرض ہے کہ ایک کاپی سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے (۲) اپنی رائے سے ہمیں جلد از جلد آگاہ کریں تاکہ آپ کی رائے اور تجاویز کو سرائیکی سنگت کے آئندہ اجلاس میں زیر بحث لایا جاسکے، نیز اپنے اپنے علاقوں میں سرائیکی سنگت کی شاخیں قائم کریں۔ پتہ ذیل ہے

محمد شفیع محمدی صاحب 2/D/92.P E C H S کراچی

بشیر احمد ملک 878/4 ڈرگ کالونی کراچی

ممبران کمیٹی

۱۔ ملک محمد اکبر صاحب ۲۔ محمد شفیع محمدی صاحب ۳۔ ملک بشیر احمد صاحب

۴۔ میاں محمد غیاث الدین صاحب ۵۔ نور حسین صاحب ۶۔ میاں الٰہی بخش جرواز صاحب

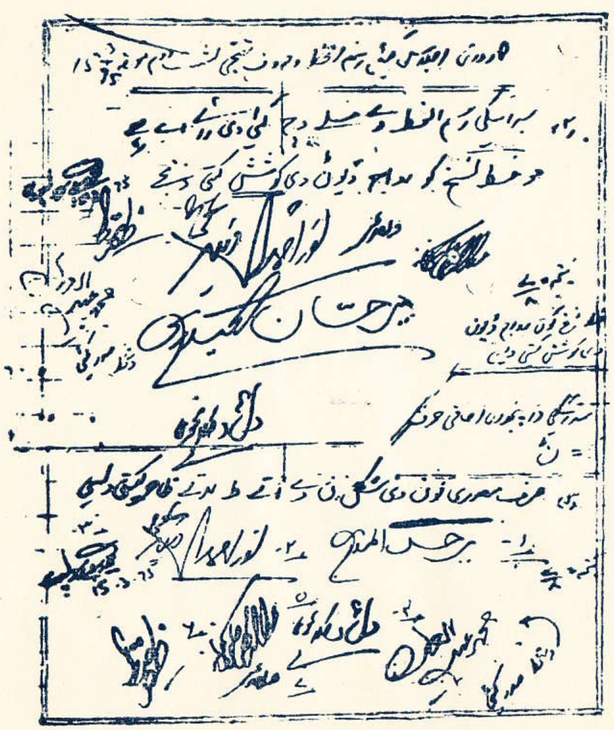
رپورٹ

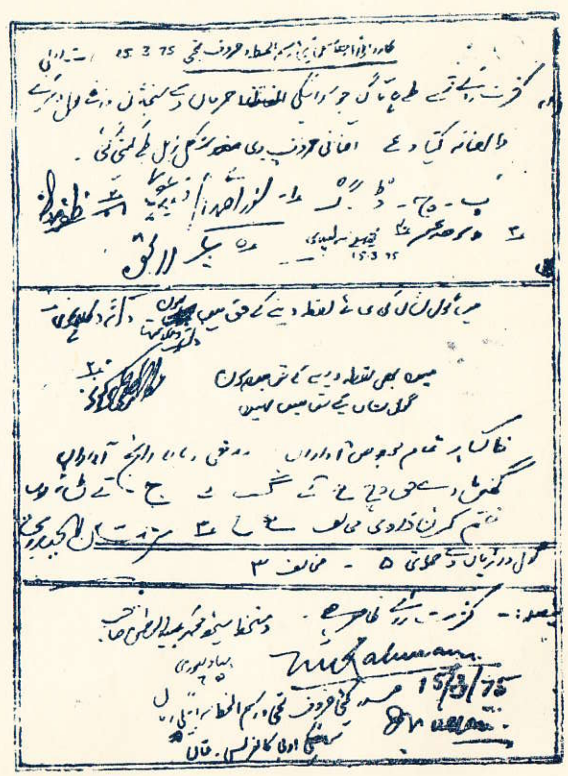
سرائیکی رسم الخط

کمیٹی

ملتان

29





رپورٹ، صدر رسم الخط کمیٹی سرائیکی ادبی کانفرنس ملتان (منعقدہ مارچ ۱۹۷۵ء)

۱۔ سرائیکی رسم الخط کمیٹی اپنے مختلف اجلاس کے بعد سرائیکی کے لیے خط نسخ کو بتدریج اپنانے کی سفارش کرتی ہے۔

۲۔ سرائیکی کے اضافی حروف کے لیے ووٹنگ کے بعد نتیجہ درج ذیل ہے۔

دائرہ	نقطہ
۵	۳

اس لیے اضافی حروف کی شکلیں یوں ہوں گی

ٻ ڄ ݙ ڳ

۳۔ ݨ کو مصدر کے آخر میں استعمال کیا جائے گا۔
فقرے کے درمیان میں ݨ کی بجائے نڑ کی سفارش کی جاتی ہے۔

دستخط ممبران

سیٹھ محمد عبید الرحمٰن۔ مولانا نور احمد خاں فریدی۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق۔ پروفیسر دلشاد کلانچوی۔ واحد بخش خان واحد
پروفیسر عطا محمد حامی۔ میر حسان الحیدری سہروردی۔ ظفر علی مرزا۔ محمد اسلم خان رسولپوری

(منقول از رپورٹ سرائیکی ادبی کانفرنس ملتان

مرتبہ : عمر کمال خان سیکرٹری
پہلی سرائیکی ادبی کانفرنس ملتان

صدر رسم الخط کمیٹی کا اعلان

سیٹھ محمد عبیدالرحمٰن صاحب صدر رسم الخط کمیٹی کی طرف سے حسب ذیل اعلان برائے اشاعت موصول ہوا ہے۔

رسم الخط کمیٹی نے دو نشستوں میں کافی غور و خوض کے بعد حسب ذیل امور اتفاق رائے سے طے کیے ہیں۔

۱۔ سرائیکی زبان کا رسم الخط نسخ ہوگا اور اسے بتدریج رواج دینے کی کوشش کی جائے گی۔

۲۔ سرائیکی زبان کے پانچ حروف ب، ج، ڈ، گ، ن کی مخصوص اضافی آواز کو کن علامتوں سے ظاہر کیا جائے۔ اس بارے میں سوائے ن کے دیگر حروف کی مخصوص اضافی آواز کی علامت کے بارے میں اتفاق رائے نہ ہوسکا۔ ن کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ صرف مصدری نون کی مخصوص آواز ظاہر کرنے کے لیے ن کے اوپر "ط" لگائی جائے۔ باقی چار حروف کی اضافی آواز ظاہر کرنے کے لیے میر حسان الحیدری، پروفیسر دلشاد کلانچوی اور پروفیسر عطا محمد حامی الفظوں کا اضافہ چاہتے تھے جبکہ ڈاکٹر مہر عبدالحق، مولانا نور احمد خان فریدی، ظفر مرزا، پنڈت واحد بخش خان احد اور اسلم رسولپوری گول دائرہ (ہ) کے اضافے کے حامی تھے۔ کثرت رائے سے طے پایا کہ سرائیکی کی مخصوص اضافی صورت کی شناخت کے لیے گول دائرہ کا اضافہ کیا جائے چنانچہ ان حروف کی شکل یہ ہونی چاہیے

ب، ج، ڈ، گ

۳۔ کانفرنس کے منتظمین کے مشورہ سے طے پایا کہ چونکہ رسم الخط کمیٹی میں بلوچستان کی نمائندگی نہیں ہوئی لہٰذا جن امور پر اتفاق رائے نہیں ہوسکا ان امور کو آئندہ کانفرنس میں تصدیق کے لیے پیش کیا جائے تاکہ بلوچستان کے نمائندوں کی رائے معلوم کرنے کے بعد حتمی فیصلہ کا اعلان کیا جائے۔

سرائیکی دانشوراں

کی

آرا

● رسم الخط اور اضافی حروف کی اشکال کے بارے میں پچیس دانشوروں کو خطوط تحریر کیے گئے لیکن ان میں سے بہت ہی کم نے جواب تحریر فرمانے کی زحمت گوارا فرمائی ہے حالانکہ ان میں سے بعض کو زبانی طور پر یاد دہانی بھی کرائی گئی تھی۔

البتہ مختلف اصحاب سے زبانی گفتگو اور بحث مباحثہ کے دوران چند نئی چیزیں سامنے آئیں کچھ اصحاب کا خیال ہے کہ سرائیکی کے لیے رومن الخط اختیار کیا جائے کیونکہ اس طرح سرائیکی کی انفرادیت بھی قائم ہو گی اور ہم مغرب کی ترقی یافتہ زبانوں سے بھی قریب ہو جائیں گے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سرائیکی ادبی کانفرنس کے دوران جب رسم الخط کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا تو چند نوجوان اس کمرے کے دروازے پر کھڑے ممبران سے رومن رسم الخط کے سلسلے میں گزارش بھی کر رہے تھے اور بحث مباحثہ بھی۔ اُن کے خیال میں بلوچی دانشور بھی اس لائن پر سوچ رہے ہیں اس لیے ہمیں بھی اس بنیاد پر سنجیدگی سے سوچنا چاہیئے کیونکہ سرائیکی بولنے والوں میں اکثریت بلوچ لوگوں کی ہے اور اس زبان کو بلوچ اپنی دوسری مادری زبان سمجھتے ہیں۔ لیکن سرائیکی دانشوروں نے اسے اس وقت رد کر دیا تھا۔

مسٹر محمود نظامی کا خیال ہے کہ سرائیکی وادئ سندھ میں پیدا ہونے والی زبان ہے یہ کہیں باہر سے درآمد نہیں کی گئی، اس لیے اس کا رسم الخط بھی باہر سے درآمد نہ کیا جائے بلکہ اس علاقے میں پیدا ہونے والا کوئی رسم الخط قبول کر لیا جائے۔ ان کے خیال میں سرائیکی کے لیے ناگری یا کرلڑ کی رسم الخط مناسب رہے گا، کیونکہ اس سے سرائیکی کی انفرادیت بھی قائم ہو گی اور بہت سی آوازوں کے بنے بنائے حروف بھی مل جائیں گے۔ ان کی رائے میں جو حروف ان رسم الخطوں میں نہیں ہیں وہ خود بنا لیے جائیں، ان نوجوانوں کے خیال میں ان رسم الخطوں کی ٹائپ بنی بنائی مل جاتی ہے یا بڑی آسانی سے بنائی جا سکتی ہے کیونکہ گورمکھی میں حروف کی جڑواں شکلیں نہیں ہیں جس کی وجہ سے ان رسم الخطوں کے لکھنے میں آسانی رہتی ہے، ناگری رلکین یہ رسم الخط عامتہ الناس کو ہرگز قبول نہیں ہوگا

ان کے خیال میں سرائیکی اور پنجابی زبان کے رسم الخط طے نہ ہو سکنے کی وجہ بھی یہ ہے کہ یہ زبانیں تو دیسی ہیں لیکن ہم ان کے لیے رسم الخط باہر سے درآمد کر رہے ہیں۔

بعض لوگوں کے خیال میں رسم الخط تو فارسی یا عربی قبول کر لیا جائے لیکن ان میں وہ حروف اُڑا دیئے جائیں جو ہم لوگ ادا نہیں کر سکتے۔ جیساکہ ث۔ س، ص میں صرف ث کو ت، ط میں سے ت کو ز۔ ذ۔ ظ۔ ض میں سے ز کو وغیرہ وغیرہ

رسم الخط کے بارے میں جو خطوط ملے ہیں ان میں سے زیادہ تر دانشوروں کا خیال یہ ہے کہ

سرائیکی ادبی کانفرنس میں جو رسم الخط طے ہوا تھا اسے قبول کر لیا جائے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے دانشور اپنی تحریروں میں اسے استعمال میں لاتے ہیں۔

بعض دانشوروں نے دائرے کی بجائے نقطے کے استعمال کی بھی حمایت کی ہے اور کچھ نے سندھی کے بعض حروف کو اپنا لینے کا بھی مشورہ دیا ہے۔

میرے خیال میں اس مسئلے کا فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا جائے تو بہتر رہے گا۔

محمد اسلم رسولپوری

سنیہڑا

سرائیکی ترانہ (راگ بلاول)

کھڑی ڈیندی ہاں سنیہڑے انہاں لوکاں کوں
اللہ آن وسادے ساڈیاں جھوکاں کوں
پیر پیغمبر آ سلطان سکندر آئیں مر گئی ہاں
ہائے ترس نی آندا انہاں لوکاں کوں
اللہ آن وسادے ساڈیاں جھوکاں کوں
چھڑن منجھیاں رنگن گٹیاں چھاہ تاں پلاواں
تو کجھ تاں ڈسا انہاں لوکاں کوں
اللہ آن وسادے ساڈیاں جھوکاں کوں،
کونجاں وانگوں وینڑ ولاواں اللہ ہنڑ ملا
ہائے کیویں ڈیواں دھانہہ انہاں لوکاں کوں
اللہ آن وسادے ساڈیاں جھوکاں کوں
کیکوں جانی ڈکھ سنڑاواں کوئی نئیں میڈا
بھلا کیا میں ڈساں انہاں لوکاں کوں
اللہ آن وسادے ساڈیاں جھوکاں کوں ۔ ۲
کھڑی ڈیندی ہاں سنیہڑے انہاں لوکاں کوں

پروفیسر دلشاد کلانچوی صاحب

پروفیسر دلشاد کلانچوی صاحب کو جب خط لکھا گیا کہ وہ سرائیکی رسم الخط اور حروف تہجی کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار فرمائیں۔ تو انہوں نے "سرائیکی کے حروف تہجی کا تصفیہ" کے نام سے سائیکلو سٹائل کیا ہوا ایک کتابچہ روانہ کر دیا۔ چونکہ طوالت کی وجہ سے وہ تمام کا تمام شائع کرنا مشکل تھا۔ اس لیے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد کلانچوی صاحب کی رائے کا علم حاصل کیا گیا۔ جس کی رو سے سرائیکی کے صرف چار زائد حروف ہونے چاہئیں۔ ب اور ج کے علاوہ ڈ اور گ کے اوپر ایک ایک نقطے کا اضافہ کیا جانا چاہیئے۔

اس طرح ان کی شکل یوں بنتی ہے۔

ٻ - ڄ - ڈ - ڳ

جناب امین بھٹی جنرل سیکرٹری سرائیکی ادبی محاذ

میری ناقص رائے میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے جو اضافی حروف دیوانِ فریدی میں پیش کئے تھے اور جسے بزم ثقافت ملتان نے بھی رائج کیا ہے اور جو تین کروڑ سرائیکی عوام کو ہمیشہ مرغوب رہتے ہیں، رسم الخط کے سلسلے میں حروف آخر سمجھنے چاہئیں۔ کچھ سرائیکی کے نام نہاد دوست سرائیکی زبان و ادب کی ترقی میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے اور سرائیکی زبان کے دشمنوں کو حملے کا موقعہ فراہم کرنے کے لئے رومن، لاطینی، ناگری، کڑکی اور گورمکھی رسم الخط اپنانے کے بارے میں مشورہ دیتے ہیں وہ لوگ ہماری صفوں میں گھس بیٹھے ہیں اور سنپولے ہیں ان سے بچنا چاہیئے۔ سرائیکی کا رسم الخط صرف اور صرف عربی رسم الخط ہونا چاہیئے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کراچی کے دوستوں کو پورا حق حاصل ہے اگر وہ اس بارے میں رائے عامہ حاصل کر کے فیصلہ کریں اس سلسلے میں جو لوگ کراچی کی دوری کا عذر کرتے ہیں وہ عذر لنگ سے زیادہ نہیں ہے۔

جناب ظفر لشاری ۔ محراب والا

ہماری موجودہ تعلیم یافتہ نسل میں سے تقریباً ۹۰ فیصد لوگ خط نستعلیق سے آشنا ہیں جبکہ آنے والی نسل کو خط نسخ میں تعلیم دی جا رہی ہے، اس وقت ہمارا اہم مسئلہ خط نسخ یا نستعلیق میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے، مجھے بہت افسوس ہے کہ میں سرائیکی کانفرنس ملتان میں شرکت نہ کر سکا ورنہ متجدد آراء کو پیش نظر رکھ کر آپ کو کسی مفید مشورے سے آگاہ کرتا، اب میری ذاتی رائے یہ ہے کہ سرائیکی رسم الخط کے لیے اگر خط نسخ کو منتخب کر لیا جائے تو بہتر رہے گا، اس وقت اگرچہ خط نسخ ناکام ثابت ہو رہا ہے مگر مستقبل میں اس خط کا رائج ہوگا، شروع میں سرائیکی ادب ملتان خط نسخ میں نکلا کرتا تھا میں نے اس وقت محسوس کیا تھا کہ لوگ اس خط سے نامانوس ہونے کے باعث پڑھنے میں خاصی دقت محسوس کرتے ہیں، یہی وجہ ہوگی کہ بعد میں سرائیکی ادب نستعلیق میں نکلنے لگا، اور اب کم تعلیم یافتہ انسان بھی اسے آسانی سے پڑھ لیتا ہے، سرائیکی بہاولپور کا معیار کتابت اگرچہ ہمیشہ ناقص رہا ہے مگر ابتدا میں وہ نستعلیق میں شائع ہوا کرتا تھا۔ اور سرائیکی کا واحد رسالہ ہونے کے باعث کافی مقبول تھا مگر جب سے اس نے خط نسخ شروع کیا آہستہ آہستہ کمزور سے کمزور تر ہوتا گیا اور اب اس کی حالت نہایت مخدوش ہے،

اگر سرائیکی بہاولپور اور سرائیکی ادب ملتان کی مقبولیت کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے تو فیصلہ نستعلیق کے حق میں ہوگا مگر مستقبل خط نسخ کا روشن نظر آتا ہے، لہذا خط نسخ ہی موجودہ وقت کا تقاضا ہے ـــــ جہاں تک اس میں سندھی حروف شامل کرنے کا تعلق ہے میں اس کے حق میں ہوں۔ آج پنجابی اگر سکولوں میں داخل ہونے کی کوشش کر رہی ہے، اس کے لیے ضروری ہوگا کہ سرائیکی پنجابی سے اتنی مختلف شکل میں موجود ہو کہ کوئی بھی اسے پنجابی ابنگ نہ کہہ سکے، گو اس سلسلے میں خاصی دقتوں کا سامنا کرنا ہوگا مگر نتائج تسلی بخش ہو سکتے ہیں۔

میری تجویز یہی ہے، سرائیکی رسم الخط، خط نسخ یا اس سے مشابہہ ہونا چاہیئے اور سندھی حروف (وہ بھی چند ایک جو سرائیکی میں مناسب معلوم ہوں) بھی شامل کئے جائیں ـــــ کراچی والوں کا کوئی بھی کتابچہ یا تحریر میری نظر میں، اس سے متعلق نہیں گذری لہذا میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

جناب محمد عبیدالرحمان بہاولپوری

میری ذاتی رائے تو وہی ہے جو دیوان فریدؒ مترجم (ترجمہ مولانا عزیزالرحمان خان) میں جو بزرگاں نے درج فرمائی ہے لیکن ملتان میں کمیٹی نے جو فیصلے کیے تھے اصولی طور پر اس وقت تک ان کی پابندی کرتا ہوں، کراچی والے حضرات سے خط وکتابت ہے ان کی سنگت کا سائیکلوسٹائل کیا ہوا کارنامہ بھی سامنے ہے، انہیں بہاولپور اور ملتان کا دورہ کرنے کا مشورہ دیا ہے، انہوں نے جواباً لکھا ہے تجویز اچھی ہے، ضرور آئیں گے۔

جناب ممتاز حیدر ڈاہر، بھٹہ واہن

رسم الخط : نسخ

اضافی حروف :

ٻ - ٻال
ڄ - ڄال
ڃ - جنڃ
ݙ - ݙیکھ
ڳ - ڳوڑی
ڱ - رڱ
ݨ - وݨ

کل حروف - ۷

سرائیکی سنگت کراچی والوں کے اضافی حروف سے بھی مکمل اتفاق کرتا ہوں صرف یؔ خفی الصوت کے علاوہ۔ وہ بھی اس وجہ سے جو ہماری طرف یہی خفی الصوت "یؔ" بولی جاتی ہے، دوسری "یؔ" نہیں بولی جاتی۔

جناب عمر علی خان ایڈیٹر ماہنامہ "سرائیکی ادب" ملتان

"سرائیکی رسم الخط کے بارے میں سرائیکی ادب" رسالے میں جو آپ دیکھتے ہیں، اسی کے حق میں ہوں، پہلے عربی رسم الخط اپنایا گیا تھا مگر قارئین نے اصرار کیا کہ رسم الخط اُردو ہو اس کے علاوہ خاص حروف پر پہلے نقطے ہوتے تھے مگر اب سرائیکی کانفرنس میں جو فیصلہ ہوا اس کے پابند ہوتے ہوئے یہ رسالہ بھی گول دائروں میں لکھا جا رہا ہے اور جو بزرگ بیٹھ کر فیصلہ کریں ہمیں اس سے پورا پورا اتفاق ہے، کراچی والوں نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے حق میں شاید ملتان والوں میں سے کوئی نہ ہو کیونکہ ملتان کی کانفرنس میں جو فیصلہ ہوا وہی ہمارے لیے بہتر ہے، کراچی والوں کو ہمارے مسائل کا کیا پتہ ؟"

جناب مرید حسین خان جتوئی ۔ خان پور

رسم الخط کے بارے میں میری اپنی رائے یہ ہے کہ جو فیصلہ ملتان کانفرنس کے موقع پر ہمارے نامزد دانشوروں نے کر دیا تھا، وہ ہم کو فی الحال بلا چون و چرا تسلیم کر لینا چاہیئے کیونکہ ہم ہی نے یہ اختیار ان کو سونپا تھا، اگر آج ہم اپنے منتخب کردہ اصحاب الرائے کے فیصلہ کو چیلنج کرتے ہیں تو اس میں نہ صرف ان کی بلکہ ہماری اپنی بھی ہیٹی ہے — اصول شکنی اور نفاق اس کے علاوہ ہے، ذاتی طور پر مجھے خود بھی قدرے اختلاف تھا جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، ضروری ارتقائی تقاضے خود بخود پورے کیئے جاتے رہیں گے، ضرورت وقت خود بخود دانشوروں کو پھر سر جوڑ کر بیٹھنے پر مجبور کر سکتی ہے، ترمیم یا تنسیخ کا دروازہ ہرگز بند نہیں ہوا۔

ہمسایہ زبان سندھی کی مثال ہمارے سامنے ہے اس کی موجودہ تبدیلی (علامات و نقاط) غالباً چودھویں ہے تو کیا تبدیلی کے وقفہ میں سندھی کے قلم کاروں نے اپنے قلمدان خشک کیلیے ہونگے شومئی قسمت ہمارے وہ محسن ادیب جن کو اس ضروری فیصلہ کے لیے مدعو کیا گیا تھا، دیدہ دانستہ شامل فیصلہ نہ ہوئے، کیونکہ اپنے دلائل کو منوانے میں انہیں اپنی کامیابی

یقینی نظر نہ آئی ہو گی۔ اب وہی صاحبان غالباً اس طے شدہ مسئلہ میں رکاوٹ ڈال کر اپنی انفرادیت، نام و نمود اور انا کی تسکین کرنا چاہتے ہیں، ان کی عرق ریزی بجا، لیکن خود پسندی میں ضد بالکل بے جا ہے، آج کے جمہوری دور میں اکثریت کا فیصلہ ہی قابلِ قبول ہے، اس میں کسی کی پسند یا نہ پسند ثانوی حیثیت رکھتی ہے، اکثریت کے فیصلہ کو قبول کر لینا ہی فراخ دلی اور عقلمندی ہے،

بہی خواہان سرائیکی ادب سے اپیل ہے کہ وہ منفی اندازِ فکر کو ختم کر کے اپنے ادب کے کارواں کو آگے بڑھانے کی فکر کریں، جو بھی وقت اور ضرورت کے تقاضوں کو محسوس نہیں کرتا، وہی رخنہ انداز ہے۔

سیّد محمد مسعود شاہ بخاری جنرل سیکریٹری بزم فرید رحیم یارخان

میاں سراج الدّین سانول سرائیکی زبان کے محقق

ہماری رائے میں ان حروف کی پہچان کے لیے جو علامات قدیمی طور پر رواج پا چکی ہیں، وہی متقدمین کا اضافی نقاط والا فیصلہ حتمی اور درست ہے۔ اس سے سندھ اور پنجاب میں شائع ہونے والا مواد بھی محفوظ رہے گا اور نئے پڑھنے لکھنے والوں کے لیے تدریسی سلسلہ جاری کرنے سے بھی نجات ملے گی۔ البتہ سندھی اور سرائیکی کے گ کے نیچے جو نقطہ لگایا جانا رائج چلا آرہا ہے۔ ہماری رائے میں یہ نقطہ بجائے نیچے کے گ کی کشش والی لکیروں کے اوپر درمیان میں لگانا درست اور قابل عمل صورت ہے۔ نیچے نقطہ لگائے جانے سے الفاظ گبڑ، گبیڑ، گبڑا وغیرہ میں ب کا ابہام دیتے ہوئے گبڑ، گبیڑ اور گبوہا پڑھا جائے گا، نقطہ کشش کی لکیروں کے اوپر درمیان میں لگائے جانے سے ب اور ن کا شائبہ تک نہیں رہتا۔

سرائیکی قاعدہ میں حروف تہجی کی تعداد کے بارہ میں ہمیں یہ اختلاف ہے، ہم یہ چاہتے ہیں کہ مروجہ اُردو قاعدہ میں شامل حروف تہجی سرائیکی صوتیات پر حامل پانچ حروف کا اضافہ جائز ہوگا۔ سات یا آٹھ حروف کے شامل کئے جانے کا فیصلہ صحیح نہ ہوگا۔ دو ج اور دو گ کی بجائے صرف ایک ج اور ایک گ سے کام لیا جا سکتا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ سنہ ۱۹۳۸ء میں لسانی کمیٹی نے سرائیکی رسم الخط وغیرہ کا فیصلہ کرتے وقت سندھی قاعدہ سے استفادہ حاصل کرنے کی جو کوشش کی تھی اس وقت انہوں نے سندھی قاعدہ میں پہلے سے موجود خامی پر نظر نہیں ڈالی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل ان سے سہواً سرزد ہوا ہے۔ ایک ج اور ایک گ وہی مطلب پورا کر سکتے ہیں، سندھیوں نے دوسری ج اور گ وضع کرنے کی بلا ضرورت سعی کی ہے جس کے متعلق کہا یہ جاتا ہے کہ دوسری ج اور گ کی آواز میں ہلکا پن ہے، اس لیے پہلی ج اور گ کے بعد دوسری شکل کے حروف وضع کرنے کی

ضرورت پیش آئی حالانکہ دوسری صورت میں بھی لکھتے وقت ان ج اور گ کے ساتھ نون غنہ لگانا ضروری ہوتا ہے اس لیے یہ ج اور گ غیر ضروری ہیں مثلاً مُنْجْ ، تھَنْجْ ، وَنْجْ یا لِنگ سِنگ وغیرہ آج تک نون غنہ کے ہمراہ لکھنے پڑھنے میں تو سامنے آئے ہیں لیکن دوسرے ج اور گ کی علیحدہ صورت میں چونکہ ہلکی آواز پہ حروف ہونا ظاہر کیے گئے ہیں تو ایسی علیحدہ صورت میں ان کو لکھا جائے گا تو پھر مُنْج ، تھَنْج ، وَنْج اور لِنگ ، سِنگ کی شکل میں لکھے اور پڑھے جائیں گے اور اگر نون غنہ کے ساتھ ان الفاظ کو لکھا جائے گا تو پھر دوسرے ج اور گ کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔ بدیں وجہ ہماری رائے میں دوسری ج اور گ غیر ضروری ہیں

اسی طرح ی خفی الصوت کا معاملہ بھی ازراہِ تکلف ایزاد کیا گیا ہے جبکہ اُردو اور فارسی پڑھتے وقت واؤ معدولہ اساتذہ سمجھا دیتے ہیں ، بعینہٖ ی خفی الصوت اور اس قبیل کے دوسرے حروف بھی سمجھنے سے تعلق رکھتے ہیں ناکہ حروف تہجی میں شامل کر دینے سے معاملہ فہمی ہوتی ہے ، گویا جو لوگ محض اپنے تشخص اور دوکانداری کا بھرم رکھنے پہ مصر ہیں ان سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ ان متنازعہ فیہ معاملات کے سُدھار کی راہ میں روڑے اٹکانے سے باز رہیں گے ، ہاں اگر معقولیت اور دلائل کا سہارا لیا جائے گا تو یہ الجھن دور ہو سکتی ہے ، ملتان میں منعقدہ سرائیکی ادبی کانفرنس میں جس فیصلہ کا اعلان کیا گیا تھا اسے بھی ہم اُن ادبی حلقوں کی ہٹ دھرمی پہ محمول کرتے ہیں ۔

سرائیکی زبان میں آوازیں اور ان کی صورت خطی

از پروفیسر کرسٹوفر شکل
لندن یونیورسٹی

لندن یونیورسٹی میں سرائیکی زبان کے ماہر اور "مرکزی پاکستان کی سرائیکی زبان کی گرامر" کے مصنف پروفیسر کرسٹوفر شیکل کو لکھا گیا کہ وہ سرائیکی رسم الخط کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار فرمائیں جس کے جواب میں انہوں نے انگریزی زبان میں ایک مضمون لکھ بھیجا، یہاں اس مضمون کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے،
(مرتبین)

کسی زبان کی آوازوں کو رسم الخط کی تحریری شکل دینے میں جو مسائل پیش آتے ہیں ان کی تعداد ہمیشہ خاصی بڑی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں بہت سے عوامل کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے بالخصوص اس لیے کہ تمام مستند رسوم الخط تاریخ اور ثقافت کے پیچیدہ پس منظروں سے مربوط ہوتے ہیں، تاہم کوئی بھی رسم الخط ہو اس میں ایک نہ ایک ایسی اچھی خصوصیت ضرور ہوتی ہے جس کی بدولت اُس رسم الخط کو یہ قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ زبان کے مختلف آوازوں (Phonemes) کا فرق ظاہر کر سکے، کسی معلوم زبان کی

مختلف آوازوں کی خطی شکلیں قائم کرنے کی غرض سے عام طور پر سیدھی سادی لسانی ترکیبیں استعمال کی جاتی ہیں، مثال کے طور پر سرائیکی میں ان دو الفاظ کو لیجئے جن کے حروف ہجا ایک جیسے ہیں۔ پہلا لفظ گول بمعنی (Round) ہے اور دوسرا ڳول بمعنی تلاش ہے، دوسرے لفظ کا ڳ ایک درآمدی حرف (Implosive) ہے جس کی ادائیگی کے وقت سانس اندر کی طرف لے جانی پڑتی ہے۔ پہلے لفظ کا گ ادا کرتے وقت سانس باہر نکالی جاتی ہے چونکہ ان دو لفظوں میں امتیاز صرف پہلے حرف کی دو مختلف آوازوں سے کی جاتی ہے اس لیے ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اردو اور پنجابی کے برعکس سرائیکی میں گ کی دو آوزیں ہیں۔ پہلی برآمدی (plosive) اور دوسری درامدی (Implosive)۔ ایک کامل رسم الخط میں دو آوازوں والے حرف کی دو مختلف آوازوں کو صورت خطی دینے کے لیے مختلف صورتیں دریافت کرنا پڑیں گی۔

سرائیکی زبان میں ہم زیادہ سے زیادہ اڑتالیس حروف صحیح (consonants) کی صورت خطی کی تمیز کرسکتے ہیں، ان اڑتالیس حروف میں نیم مصوتے (semi - vowels) بھی شامل ہیں۔ ان کی خطی اشکال کو صوتی لحاظ سے اُن کے تلفظ کی ادائیگی کے مطابق گروپوں میں ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل نقشے میں ان خطی اشکال کو رومن رسم الخط میں لکھا گیا ہے اور عربی رسم الخط میں جو ان کے مترادف ہیں وہ بھی دے دیئے گئے ہیں۔

(نقشہ اگلے صفحہ پر لاحظہ فرمائیں)

نقشہ ۵

	گلوٹی	نرم تالوئی	تالوئی	معکوسی	دنتی	لبی
غیر مسموع برامدی	×	ک k	چ c	ٹ ṭ	ت t	پ p
+ منفوس	×	کھ kh	چھ ch	ٹھ ṭh	تھ th	پھ ph
مسموع برامدی	×	گ g	ج j	ڈ ḍ	د d	ب b
+ منفوس	×	گھ gh	جھ jh	ڈھ ḍh	دھ dh	بھ bh
درآمدی	×	g̲	j̲	d̲	×	b̲
غنائی	×	ṅ	ñ	ṇ ṇh	ن n نھ nh	م m مھ mh
صفیری	ہ h	خ kh غ gh	ش sh	×	س s ز z	ف f
دستکی	×	×	×	ڑ ṛ ڑھ ṛh	ر r رھ rh	×
پہلوئی	×	×	×	×	ل l لھ lh	×
نیم مصوتے	×	×	ی y	×	×	و v وھ vh

اس نقشے میں یہ بات بخوبی دیکھی جاسکتی ہے کہ سرائیکی رسم الخط میں مصمتوں کی اکثریت کی صورتِ خطی پہلے ہی ایک دوسرے سے ممیّز ہے لیکن باقی مصمتے (consonauts) جن کی خطی اشکال عربی رسم الخط میں نہیں دی گئیں ان کے بارے میں اس سوال پر خاصی بحث ہوتی رہی ہے کہ ان کی بہترین شکلیں کیا ہو سکتی ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ حروف دو طرح کے ہیں:۔

ا۔ وہ مصمتے جن کی ادائیگی کے وقت سانس اندر کی طرف لے جانا پڑتا ہے۔ یہ سرائیکی زبان کے مخصوص اور ممیز ترین مصمتے ہیں جو صرف سندھی زبان میں مشترک ہیں، سب سے زیادہ اچھی بات یہ ہوگی کہ ان کے لکھنے میں جو اشکال استعمال کی

جائیں وہ اُن ہی شکلوں پر مبنی ہوں جو ان کے بالمقابل مُصمّتوں کے لیے پہلے ہی سے مستعمل ہیں یعنی اُن آوازوں کے لیے جن میں سانس باہر لے جانا پڑتی ہے اس سے بھی مزید اچھی بات یہ ہوگی کہ ان میں مشترک علامت سب میں ایک ہی ہو جو سانس اندر لے جانے کے عمل کو ظاہر کرے!

وہ ترکیب جو دیوانِ فریدؔ مدوّنہ عزیز الرحمٰن میں استعمال کی گئی ہے اور جس کے مطابق ہر مذکورہ حروف صحیح کے نیچے ایک نقطے کا اضافہ کیا جاتا ہے یا وہ ترکیب جو سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے رائج کی ہے اور جس کے مطابق ہر حرف کے نیچے دو عمودی خط کھینچ دیئے جاتے ہیں یعنی

پہلی صورت: ٻ ڄ ڋ ڳ

دوسری صورت: ب ج ڈ گ

یہ دونوں ترکیبیں اُن معیاروں پر پوری اُترتی ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

ممیز کرنے والی کچھ دوسری صورتیں بھی تجویز کی گئی ہیں مگر میں ذاتی طور پر عزیز الرحمٰن کی ترکیب کو ترجیح دیتا ہوں جو نہ صرف سب سے زیادہ رواج پا چکی ہے بلکہ مزید حروف پیدا کرنے کے لیے عربی رسم الخط میں زائد نقطوں کے روائتی استعمال سے بھی زیادہ ہم آہنگ ہے۔

2۔ وہ حروف صحیح جن کی آواز ناک سے نکلتی ہے یعنی انفی یا غنائی مصمّتے۔ ان کی لکھائی کے لیے بھی متعدد ترکیبیں تجویز کی گئی ہیں۔ میرے نزدیک خوبصورتی کے لحاظ سے وہی تراکیب قابل قبول ہیں جو عزیز الرحمٰن نے اختیار کی ہیں۔ اس سلسلے میں دو بہت کم استعمال ہونے والی آوازیں جس میں سے ایک زبان کے آہستگی کے ساتھ تالو سے ملنے سے پیدا ہوتی ہے جب کہ دوسری زبان کے تالو سے پوری طرح پیوست ہونے سے پیدا ہوتی ہے جن کی لکھائی کا طریقہ یہ ہوگا۔ ݨگ ، ݨج

یہ ایک عمدہ حل ہے اس سے سندھی زبان کے حروف "ج" اور "گ" کی طرح مزید علاماتِ حروف کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ سرائیکی الفاظ میں "ن" منون کی آواز اور درآمدی "نگ" یا "نج" ایک دوسرے کے بعد نہیں آتیں، اسی طرح سے انگریزی زبان میں ch صوتِ واحد کی علامت ہے کیونکہ انگریزی زبان میں c اور h کی آوازیں یکے بعد دیگرے نہیں آتیں۔

"ݨ" کا معاملہ ذرا پیچیدہ ہے کیونکہ یہ آواز نون غنہ اور معکوسی "ڑ" کی آواز کا مجموعہ ہے، ایک تجویز یہ سامنے آئی ہے کہ اس آواز کو اس صورت میں لکھا جائے "نڑ"

تاہم اس پر کئی اعتراضات کیے جا سکتے ہیں، سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس طرح سے ہجے کچھ بدصورت اور گمراہ کن ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پہ "نونڑ" جُھکنا۔ درحقیقت "ݨ" کی آواز جو کہ سرائیکی زبان میں عام ہے اسے لکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہو گا کہ کسی طرح حرفِ صحیح (consonant) میں مناسب تصرف کر لیا جائے۔ جو "ن" اور "ڑ" کی آوازوں کے ساتھ اس کی لسانی مطابقت کو ظاہر کر سکے۔

یہاں بھی عزیز الرحمٰن کے "ݨ" کو ترجیح دیتا ہوں۔ اس سے n.h کی نسبتاً منفوس آواز کو بھی آسانی سے لکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً سونڑھا (یوں بھی لکھائی ممکن ہے۔ سونڑھاں) لیکن چونکہ "ݨ" اور دیگر انفی آوازوں کے بعد میں آنے والے حروفِ علت کی آواز ناک سے نکالی جاتی ہے، اس لیے ہر بار "ں" لکھنا ضرور نہیں چنانچہ سرائیکی کی مخصوص آوازوں کو لکھنے کے لیے عزیز الرحمٰن کے طریقے پر کوئی جائز اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک ایک غیر ملکی زبان کے معاملات میں کسی رائے کا اظہار کر سکتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس طریقے کو رائج کرنے کے بہت سے عملی نوعیت کے فوائد ہیں۔

*مترجمین کے خیال میں یہ حرف "ڑ" ہونا چاہیے لیکن اصل مضمون میں "م" لکھا ہوا ہے۔ محمد اسلم رسولپوری

یہ کافی عرصے سے مروج طریقہ ہے۔ اگر اس میں تبدیلیاں کی گئیں تو وہ اس خاص گروہ سے منسوب کی جائیں گی جو ایسا کرے گا اور ان کے قبول عام حاصل نہ کرنے کا احتمال ہو سکتا ہے۔

یہاں یہ بات فرض کر لی گئی ہے کہ سرائیکی بولنے والے عوام اس بڑی تبدیلی کے لیے آمادہ نہ ہوں کہ سندھی رسم الخط کو اپنا لیا جائے جو کہ واحد معیاری رسم الخط ہے، جو سرائیکی زبان لکھنے کا کام بخوبی سرانجام دے سکتا ہے اور جو عام استعمال میں بھی ہے۔

جہاں تک اس مضمون میں دیگر لسانی سوالات اُٹھائے گئے ہیں، قاری کو میری مجوزہ کتاب "مرکزی پاکستان کی سرائیکی زبان کی گرامر"، کا مطالعہ کرنا چاہیئے جس میں سرائیکی لکھنے میں رومن نظام اصوات سے کام لیا گیا ہے۔

اگرچہ اس کتاب میں رسم الخط سے مختصر طور پر بحث کی گئی ہے، تاہم اس میں آوازوں کے فرق کے سلسلے میں دوسرے سوالات پر بحث موجود ہے جس میں حروف علت اور دہرے حروف علت بھی شامل ہیں جن کا رسم الخط سے گہرا تعلق ہے اور جن پر اس مختصر مضمون میں بحث ممکن نہیں تھی، آخر میں جہاں تک کسی رسم الخط کے قبول عام کا اہم سوال ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا انحصار زبان کے علاوہ دیگر عوامل پر ہے، یہ بات بہت عجیب ہے کہ سر بارٹل فریئر جن کے نام پر پبلک سول موجود ہے اور جس کا ہم وکٹورین عہد کی برطانوی اشرافیت کے ایک نمونے کے طور پر احترام کرتے ہیں، سندھ میں اسے اس کمیٹی کے فیصلوں پر عمل درآمد کرانے کے لیے یاد کیا جاتا ہے جس نے سندھی رسم الخط کو موجودہ شکل دی۔

حرفِ آخر

سرائیکی بعض لوگوں کی نظر میں شجر ممنوعہ ہے، اس کی بات کرنا گناہ عظیم ہے، اس کے ادب اور ثقافت پر خیال آرائی صریحاً جرم ہے، ایسے تھڑدلے لوگوں کی تعداد بے حد قلیل ہے لیکن یہ لوگ ہماری زندگی میں نفرت و حقارت کے بیج بو کر ہمیں پیار، محبت اور یگانگت اور اپنے عظیم ثقافتی سرمایہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں

اردو ہماری قومی زبان ہے، اور ہم اس کے سرائیکی سے بھی زیادہ شیدائی ہیں لیکن سرائیکی ہماری مادری زبان ہے جس میں ہمارے علاقے کا ادب اور ثقافت محفوظ ہے اور اسی ثقافتی ورثہ کے تنوع اور تمول سے قومی زبان متمتع ہوتی ہے قومی ثقافت کے اس عظیم سرچشمہ کے معاملے میں تغافل اور اغماض اردو سے محبت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

سرائیکی کو اس سرپرستی سے محروم رکھا گیا ہے، جو اس کا آئینی حق ہے، موجودہ آئین مجریہ ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۲۸ کے تحت "شہریوں کا کوئی طبقہ جو کہ خاص زبان، رسم الخط یا ثقافت کا علمبردار ہے اسے حق حاصل ہے کہ وہ اسے محفوظ رکھے یا اس کو ترقی دے اور اس سلسلہ میں ادارے قائم کرے" اس آئینی تحفظ کے علاوہ حکمران جماعت کے اصول اساسی کی دفعہ ۱۲ بھی اس حق کو تسلیم کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو،

"ملکی زبانوں کی تیز تر ترقی تا کہ غیر ملکی زبان کی جگہ لے سکیں جو ملکی معاملات میں مستعمل ہے، اور تمام علاقائی زبان کی ترویج۔ اسی اصول کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

"یہ اصول اس قدر واضح ہے کہ اس کے لئے کسی قسم کی توضیح کی ضرورت نہیں ہے، علاقائی زبانیں ہیں ان میں سے چند کے پاس ادب کا قابل قدر سرمایہ بھی ہے اور وہ لاکھوں انسانوں کا ذریعہ اظہار بھی ہیں ان علاقائی زبانوں کی نشو و نما ملک کی ترقی کے لئے مددگار ثابت ہوگی، اور لوگوں کی زندگی کو خوش رنگ بنائے گی۔

اسقدر واضح آئینی اور سیاسی تحفظ کے باوجود سرائیکی زبان وادب کے پرستار اگر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں تو قصور کس کا ہے ؟

مجھے ان سرائیکی دانشوروں کی اس رائے سے اختلاف ہے کہ سندھ کے سرائیکی ہم جو ہوں یا سرائیکی ادبی انجمنوں کو سرائیکی رسم الخط یا دیگر معاملات میں رائے دینے کا کوئی حق نہیں ہے سرائیکی وسیع و عریض علاقے میں بولی جاتی ہے زبان وادب کے معاملہ میں جغرافیائی فاصلے کوئی وقعت نہیں رکھتے ہم زبانی ہمدلی کا موثر ذریعہ ہے اور پھر سندھ کو کم و بیش ایک درجن عظیم سرائیکی شعرا پیدا کرنے کا فخر حاصل ہے

ان شعراء کو سرائیکی شعری روایت کا پیش رو تسلیم کرنا بے جا نہیں ہے کیونکہ تاریخی حقیقت سے روگردانی کسی صورت میں زبان وادب کی خدمت قرار نہیں پا سکتی سچل سرمست، حمل فقیر، بیدل وغیرہ نے سرائیکی کو اپنے عظیم اور لافانی افکار و مفاہیم کا ذریعہ اظہار بنا کر سرائیکی زبان کی POTENTIALITIES کو فروغ دیا اور اس کی اثر انگیزی، گہرائی اور گیرائی میں بیش قیمت اضافہ کیا۔ یہ وقت کا تقاضہ ہے کہ اس عظیم روایت کو آگے بڑھانے میں سندھ کے سرائیکی اہل علم اور دانشور زیادہ سے زیادہ حصہ لیں کیونکہ کوئی روایت اپنے کلاسیکی پیشروؤں کے تخلیقی تجربات کو اپنے اندر سموئے بغیر متحرک اور فعال نہیں رہ سکتی اور اس حقیقت سے مفر ممکن نہیں ہے کہ سندھ کے سرائیکی بولنے والے اور دانشور (بطور خاص) سرائیکی کلاسیکی ورثے کے امین ہیں

ملک الطاف علی کھوکھر

صدر بزم ثقافت ملتان

متفق علیہ حروف

ب

چ

ڈ

گ

ٹ